भारत सरकार
GOVERNMENT OF INDIA
राष्ट्रीय पुस्तकालय, कलकत्ता ।
NATIONAL LIBRARY, CALCUTTA.

वर्ग संख्या
Class No. 915.5
पुस्तक संख्या
Book No. G412 S

रा० पु०/N.L-38.
GMGIP (Pub. Unit), Sant.—S20—8CRL/85—16-12-85—75,000.

سفرنامہ ایران

مع

سوانح شاہ کجکلاہ مظفر الدین قاچار خلد اللہ ملکہ

و موجودہ کوائف ایران

مصنفہ

جنرل سر طامس ایڈورڈ گارڈن۔ کے سی آئی ای

سی۔ بی۔ سی ایس آئی

سابق ملٹری اٹاشی و اورینٹل سکرٹری انگریزی سفارتخانہ طہران

مؤلف کتاب [illegible] و غیرہ

[illegible] اسٹیم پریس [illegible]

بار اول — ایک ہزار نسخہ (۱۰۰۰) — قیمت [illegible]

SHELF LISTED
915.5
G412 S

مقدمہ

جنرل گارڈون نے ۱۸۹۵ء میں ایران کا سفر کیا اور وہاں کے مشاہدات سے
یہ یقین لیکر انگلستان کو لوٹے کہ ایران کی ترقی و اصلاح کے سب اسباب زبردست آثار
شواہد موجود ہوگئے ہیں۔ ان تازہ مشاہدات کو پرانے تجارب کے ساتھ ملا کر انہوں نے
کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا۔ مگر ابھی چھ باب ہی لکھے تھے کہ شاہ
ناصرالدین شہید کے انتقال کی خبر پہونچ گئی جس پر انہوں نے دو باب اور بڑھا دیے جن میں
موجودہ شاہ اور اس کے بھائیوں اور صدر اعظم اور ایران کی موجودہ حالات پر بحث کی گئی ہے
ذاتی تجارب کے علاوہ مصنف نے ملکم۔ فریزر۔ والیس اور کرزن کی تالیفات
متعلقہ ایران سے بھی کتاب ہذا میں استفادہ کیا ہے

سلطنت عثمانیہ کے متعلق ابنائے ملک کیلئے اردو میں معلومات کا ذخیرہ کافی جمع
کر دینے سے فارغ ہو کر نیاز مند ایڈیٹر وطن اب دیگر اسلامی ممالک و سلطنتوں کے متعلق
بھی ویسا ہی ذخیرہ بہم پہنچا دینا چاہتا ہے۔ مراکو کی گذشتہ و موجودہ تاریخ چھپ چکی ہے اور
ایران کے متعلق کارخانہ وطن کی یہ دوسری کتاب ہے۔ سید امیر علی کی تاریخ اسلام کا اردو ترجمہ بھی زیر
طبع ہے اور مصر و عرب و عراق کے متعلق بھی کئی کتابیں عنقریب شائع ہونے والی ہیں۔ خدا کرے کہ یہ تالیفات
و تراجم اردو میں معلومات کے ہمراہ مسلمانوں کی مختلف قوموں میں بھی ارتباط و اتفاق بڑھانے کا موجب
ثابت ہوں۔ واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ اصل انگریزی کتاب مئی سنہ ۱۹۰۶ء میں شائع
ہوئی تھی۔ ماہ اگست سنہ المشتہر بندہ محمد انشاء اللہ ایڈیٹر وطن لاہور

NATIONAL LIBRARY
NO 3386
DATE 25-10-62
CALCUTTA
915.5

باب (۱)

ایرانی لوگ جوکہ اپنی عا[illegible]یں ابھی تک خانہ بدوشوں سے ملتے جلتے ہیں اور لمبے لمبے مذہبی [illegible] کرتے ہیں خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسطرح سفر میں دل بہل سکتا ہے اون کی مثل پہلے اول رفیق بعدہ طریق بہت سے سیاحوں نے پسند کیا ہے۔ چنانچہ جب ۱۸۹۵ء کے موسم خزاں میں میں نے بلاد ایران کا سفر کرنیکا ارادہ کیا تو پہلے ایک رفیق کو تلاش کیا اور خوش قسمتی سے مجھے دو دوست ایسے ملگئے جو اسطرف جانے والے تھے اور میری طرح پہلے بھی ایران کا سفر کر چکے تھے۔

ہم نے اڈیسہ کے راستہ باتوم کو جانے کا ارادہ کیا۔ اسلیے ہم برلن آڈربرگ اور لیمبرگ سے ہوتے ہوئے گئے۔ جب ہم اڈیسہ گئے تو معلوم ہوا کہ وارسا کا راستہ کم خرچ اور آرام دہ تھا۔ اگرچہ اوس میں آدھا دن زیادہ صرف ہوتا تھا اور لائن پر بہت کم جگہ گاڑی بدلنی پڑتی ہے اور صرف ایک محصول کی چوکی ہے اور آڈربرگ کے راستہ میں دو چوکیاں ہیں۔ ایک آسٹریا اور دوسری روس کی۔ علاوہ ازیں وارسا کے اسٹیشن سیدھا باتوم تک ٹکٹ ملسکتا ہے اور آڈربرگ کے راستے یہ بات نہیں ہے۔ خاص آڈربرگ اور پھر پاڈو الکزسکا۔ اور وگرزسکا میں جو آسٹریا اور روس کی سرحد و پر واقع ہیں۔ نئے سرے سے ٹکٹ خریدنے اور اسباب بک کرانا پڑتا ہے۔ ہم ایک فسٹ کلاس کی بھرپور گاڑی میں داخل ہوئے جوکہ وائینا سے جالٹا کی سمت کو جاتی تھی۔ جالٹا کریمیا میں ایک نہایت خوشنما شہر ہے جوکہ سمندر کے کنارے پر واقعہ ہے۔ جس میں دو بڑے ہر دلعزیز موسم ہوتے ہیں۔ موسم بہار اور موسم خزاں۔ یہ لوگ اس تیز ڈاک آگبوٹ پر سوار ہونے کو جارہے تھے۔ جوکہ موسم سرما میں ہر سہ شنبہ کو اڈیسہ سے باتوم کیطرف جاتا ہے۔ اور راستے میں سیباسٹوپال۔ جالٹا۔ اور نووراسک پر ٹھہرتا ہے۔ ہم بھی روسی آگبوٹ پر سوار ہونے کو جارہے تھے اور بالکل بھری ہوئی گاڑیوں میں داخل ہوئے *

وا لک زسکا کی چوکی پر معائنہ کے واسطے اسباب بہت تہا اسلیئے بہت گڈ مڈ
پڑگئی اور دیر ہو گئی۔ ہم کارکناں چوکی کو بڑی ہوشمندی سے درخواستیں
کرکے اپنا پورا اسباب بچا آگے نکل گئے۔ معلوم ہوتا تہا کہ والک زسکا پر کاغذات
اور کتابوں کو بڑے غور سے دیکھنے کا حکم دیا گیا تہا۔ اسپر بڑی بیوقوفی سے
عمل کیا جاتا تہا۔ میرے اسباب میں معائنہ کرنے والا ایک بہاری لکہنے کے کاغذ
سے بہرے ہوئے بکس کو نظر انداز کر گیا۔ اور سادہ نوٹ بک کانٹینٹل براڈشا
اور دیگر کار آمد کاغذات کا ایک بنڈل اوٹہا کر باوجود میرے ظاہر کرنے کے
کہ وہ بالکل مضرت رساں نہیں ہیں اپنے اعلے افسر کے پاس لے گیا جو معہ
ایک اور افسر کے آیا اور اس غلطی پر ہنستے ہوئے گٹھڑی باندہنے میں میری
مدد کی +

ہم نے اپنے سفر کو بہت اچھی طرح شروع کیا وہاں سے تیز دوڑتے ہوئے
تیز جہاز کی روانگی کے دن اڈلیہ میں پہنچ گئے اور ساڑہے ۶ دن میں
لنڈن سے بالوم جا پہنچے۔ یہاں کے اگنبوٹ پچیس سو ٹن کا بوجہ اٹہا
سکتے ہیں۔ اور چوبیس سو گہوڑے کی طاقت رکہتے ہیں اور ان میں بہت
سے مسافر بیٹھ سکتے ہیں کوٹھریاں نہائت آرام دہ اور دالان نہائت اچھی
طرح آراستہ ہیں اور سب میں برقی روشنی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں
یہ جہاز ٹائین کے بنے ہوئے ہیں اور ان کے شہتیر چوڑے ہوتے ہیں
اور خراب موسم میں بہت اچھی طرح کام دیتے ہیں۔ ناوارو سک ایک
بہت بڑہتا ہوا بندر ہے جو کہ ایک خوبصورت کہاڑی میں واقعہ ہے
یہ حال میں بذریعہ ریلوے بڑی ٹرنک لائن سے ملایا گیا ہے۔ جو کہ رسٹو
سے گذرتی ہوئی ماسکو جاتی ہے۔ اس ملاپ کی وجہ سے بہت سی
تجارت ڈان اور والگا سے اوس کی طرف کہنچی آتی ہے اور روستو
اور ٹیگن روگ سے بہی بہت بڑا حصہ لیتا ہے۔ جیکہ ازوف کے راستے بند
ہوتے ہیں۔ ایک نہائت عمدہ دیوار سمندر میں بغرض حفاظت جہاز
اور گاڑی میں اسباب لادنے کی بندرگاہوں کے واسطے آٹھ لاکھ

پچاس ہزار پونڈ کی کل قیمت سے تیار ہونیوالی ہے۔ ناوار و سک دنیا
میں سب سے بڑا ایلیویٹر سمجھا جاتا ہے۔ کرمیا سے بالوم تک ساحل کے
ساتھ ساتھ نظارہ نہایت عمدہ ہے اور موسم خزاں میں نہایت ہی
خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔

جس روز ہم بالوم پہنچے اوسی شام کو وہاں سے جلد چھپیں باکو تک جانے
والی گاڑی اب صبح کی بجائے شام کے وقت جاتی تھی اور تبدیلی کی
وجہ سے اب لائن کے اس حصے کا سفر جس سے بیشتر رات کے وقت گاڑی
گذرتی تھی دن کو کیا جانے لگا۔ ہم تفلس بیشتر سے دیکھ چکے تھے اسلیے
ہم وہاں نہیں ٹھیرے۔ موسم گرم تھا لیکن اتنا گرم نہیں تھا کہ بے آرامی
ہوتی جب ہم تفلس پہنچے تو گاڑیاں شہر کے لوگوں سے گھر گیئں جو کہ
سنیچر سے پیر تک کی چھٹی گذار کر آرہے تھے۔ اور عمدہ موسم کی دلفریبیاں
اون کو سڑک کے آس پاس کئی مقامات میں کھینچ لائی تھیں۔ بالوم
باکو لائن پر گاڑیاں بہت آرام دہ ہیں اور رلیفرشمنٹ رومز یعنے
استراحت کے کمرے بہت سے اور اچھی طرح ہیا کیے گئے تھے اسطرح
وہاں کا سفر بہت آسان اور خوشگوار بنایا گیا ہے۔ اوس میں بتیس
گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔

۱۰ ستمبر کو یعنے لنڈن چھوڑنے کے ۹ دن بعد ہم باکو میں پہنچے
اور دوسرے دن ہم نے شب کو وہاں سے انزلی جانے کا وعدہ کیا جو کہ
ایران کے ساحل پر واقع ہے اور طہران کا بندر ہے کو وستس کی ایک
یونانی تجارتی کمپنی کے ایک ممبر کی مہربانی سے ہم کو تیل کے کوئیں اور
کلیں دیکھنے کا موقع ملگیا جو کہ ایک ایرانی لکھپتی کی ملک تھیں جس کا نام
غالباً تقی خان تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تیل کے کارخانے کے ذریعے سے دولتمند
ہو کر اوس نے شہر کے نوجوانوں کو ایک گرجا۔ مدرسے کتے مکان اور
ہسپتال نذر کیا۔ گورمنٹ نے اوس کے فیاضانہ پبلک سپرٹ سے خوش
ہو کر اسکو غیر آباد اراضی عطا کی جس پر اب اس کے تیل کے کارخانے بنے

ہوتے ہیں۔ اور جہاں سے اُس لئے تیل کے چشموں کے ذریعہ سے لکھوکہا روبل کماتے ہیں؀

ہماری ملاقات تیل کا ایک نیا سرچشمہ بہنے کی شکل میں اوس کیواسطے نیک فال ثابت ہوئی۔ ہم سب کارخانے اور گڈہے دیکھہ چکے تہے۔ مگر کسی گڈہے میں تیل نہیں تہا۔ معمولی بہاپ کا پمپ چل رہا تہا۔ ہم واپس جانے کو ہی تہے کہ کوون پر ایک حرکت نے ہماری توجہ کو مبذول کیا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک تاریک رو فوارے کی طرح دو تین سو فیٹ کی بلندی سے کہلی بلند چوٹیوں والی لکڑی کی چہتوں میں سے ہر ایک میں سے نکل رہی ہی جو کہ کوؤں کے سروں پر بنائی گئی تہیں۔ جلدی سے واپس جاکر ہم نے دیکھا کہ ایک بڑی لوہے کی ٹوپی جو لیمپ جلنے کے وقت سیدہی اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے جیسے جہکی اور کوئیں کے منہ پر کچھ بلندی جم گئی۔ تاکہ باہر گرنے والی او نیچے خالی جگہ میں گرے جو کہ کوئیں کے چاروں طرف تہی۔ اور پہر وہاں سے اوس کہائی میں جاکر گرے جو تیل کے خزانوں میں جاتی تہی۔ اوسکا زور اس آواز سے معلوم ہوتا تہا جو اس کے ٹوپی پر لگنے سے ہوتا تہا۔ اور اوپر کو اٹہنے والی او ایک متحرک ٹہوس ستون کی طرح معلوم ہوتی تہی۔ حساب لگانے سے معلوم ہو گیا تہا کہ دو پچاس ہزار گیلن فی گہنٹہ کے حساب سے نکلتی تہی۔ صاف کرنے والے نکالنے والوں سے علیحدہ تہے۔ لیکن بعض بڑی بڑی کمپنیاں نکالتی بہی ہیں اور صاف بہی کرتی ہیں۔ البتہ اسمیں بہت سرمائے کی ضرورت ہے؀

باکو کے تیل کے کوئیں کا کام جوئے سے کچھ کچھ ملتا ہے گڑہے کہودنے میں بڑی بڑی رقمیں صرف کیجاتی ہیں۔ اور ناکامی اسقدر کثیر الوقوع ہے کہ تمام کار آمد سرمایہ زمین ڈبو دیا جاتا ہے۔ اچھے اچھے نشانات سے بہی یہ ممکن نہیں کہ کوئی نتائج یا کامیابی کی وسعت کا ٹہیک پتہ پہلے سے لگا سکے۔ اور نیز ان تیل کے قطعات میں ایک غیر معمولی بیقاعدگی ہے۔ ایک کسان مالک کا قصہ مجھہ سے بیان کیا گیا

اوس نے اسقدر روپیہ کما لیا تہا کہ وہ آرام سے زندگی بسر کر سکتا تہا۔ مگر اس نے زیادہ روپے کے لالچ سے پہر تیل کہود نے کا کام شروع کر دیا قریب تہا کہ وہ سب کچہہ کہو بیٹہے مگر اچانک تیل نکل پڑا اور اس نے اپنی دولت پہر حاصل کر لی۔ وہ خود محنت کرتا تہا اور ایک معمولی مزدور کی طرح رات جا سوتا تہا۔ اور ایک دن اوٹہکر اپنی دولت کی خوابوں کو سچ پایا۔

اب باکو ہر طرح سے ترقی کر گیا ہے اور اب یہاں اچہے اچہے بازار ہوٹل اور دوکانیں ہیں۔ پہلے پانی بہت کمیاب تہا اب شہر کی کلوں سے پہنچایا جاتا ہے۔ گہروں اور عمارتوں کے لئے جگہوں کی قیمت گزشتہ دس سال میں بہت ہی بڑہ گئی ہے۔ اور روپیہ کا بہت سا حصہ جو اسطرح کمایا جاتا ہے زیادہ تر دیسی مالکوں یعنی ایرانی یا تاتاریوں کے پاس جاتا ہے (یہاں کے مسلمان عموماً تاتاری کہلاتے ہیں) مجھ سے بیان کیا گیا کہ ایک قطعہ جس پر ایک چہوٹا سا مکان بنا ہوا تہا پیشتر چہ سو روپے کو خرید لیا گیا تہا۔ اور اب وہ تین ہزار اوبل کو بکا۔ شہر بڑہتا جاتا ہے اور نئی نئی عمارتیں بنتی جاتی ہیں اور یہی ترقی تجارت اور آسائش کے آثار ہیں۔

بندرگاہیں آگبوٹوں اور بادبانوں والے جہازوں سے بہری رہتی ہیں اور گہاٹوں پر ایک مشغول نظارہ نظر آتا ہے۔ بوجہ لادنے اور اوتارنے کا کام دخانیں کلیں مضبوط حمال کرتے ہیں۔ جو کہ ایران کے اضلاع خالخال اور اردبیل سے آتے ہیں۔ میں نے بڑی دلچسپی سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو کام کرتے ہوئے دیکہا۔ اون کی حرکات و اطوار میں ایک حیرت سبکی۔ خاموشی اور ترتیب پائی جاتی تہی اور بہاری بوجہ اوٹہا کر لیجانے کی بڑی قابلیت معلوم ہوتی تہی

باکو میں بہت سے ایرانی رہتے ہیں۔ بعض نے تو وہیں سکونت اختیار کر لی ہے اور بعض صرف خاص موسم کے واسطے آتے ہیں۔ وہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ دوکاندار۔ دستکار۔ معمار۔ ترکہان۔ گرمیبان۔

چھکڑہ بان۔ اور مزدور سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اپنے ایران میں رہنے والے ہموطنوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آب و ہوا یا بے اعتباری انکو گستاخ بنا دیتی ہے۔ لیکن یہاں یا کہیں اور ایران سے باہر وہ اپنے آپکو بہت چالاک جفاکش اور عقلمند ثابت کرتے ہیں وہ آس پاس کے ملکوں کے تمام تجارتی مرکزوں میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی قسطنطنیہ دمشق۔ الیپو۔ بغداد۔ تفلس۔ عاشق آباد وغیرہ میں بہت سی نئی عمارتیں ایرانیوں کی بنائی ہوئی ہیں اور ہزارہا اون میں کے آجکل ٹرانس کیسپین ریلوے کے بنانے میں مشغول ہیں۔ مستقل مزدور جو کہ آجکل کام کر رہے ہیں ایرانی ہیں اور عاشق آباد میں بارہ ہزار سے زیادہ سکونت پذیر ہیں کہتے ہیں کہ پچھلی گرمیوں میں نئی ریلوے پر جو کہ تفلس سے اسکندروپال ہوتی ہوئی کارس کو جاتی ہے۔ ۲۰ ہزار ایرانی جو کہ آذربیجان اور ہمدان کے ضلعوں کے رہنے والے تھے کام کرتے تھے اور یقیناً اون میں سے بہت سی لائین کے ساتھ ساتھ آباد ہو جائیں گے۔

کہا جاتا ہے کہ پانچ لاکھ ایرانی اسطرح اپنے ملک سے باہر رہتے اور کام کرتے ہیں۔ لیکن میرے خیال میں یہ مبالغہ ہے اون میں سے بہت سی اپنی قومیت کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور جیسا وہ اپنے ملک میں بڑبڑاتے ہیں ایسے ہی باہر جاکر وہ اپنے ملک کی قسم کھاتے ہیں اور استقلال سے روپیہ بچاتے رہتے ہیں تاکہ وہ پھر وہاں جا سکیں چونکہ اون کو خانہ بدوشی کی عادت ہے۔ اسلیئے وہ باہر جاکر روزگار تلاش کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں میں نے سنا کہ سنہ ۱۸۹۴ء سے سنہ ۱۸۹۵ء تک بیس ہزار ایرانی پاسپورٹ قسطنطنیہ کے تجارتخانے سے لئے گئے۔ اون میں مسافر اور گھر جانے والے دونوں قسم کے لوگ شامل ہونگے۔ یہی حب وطنی ہے جسکی وجہ سے اپنے قومی قونصل کے پاس جاتا ہے اور بڑی خوشی سے بار بار اوس رعایا کی فہرست میں نام لکھوانے کی فیس ادا کرتا ہے۔ جسکو اپنے بادشاہ کی پناہ میں رہنے اور جب جی چاہے اپنے ملک کو واپس جانے کا حق حاصل ہے۔ ایرانی دوسرے ملک میں

ہمیشہ ایک علیحدہ قومی لباس پہنتے ہے۔ ایک لمبی سیاہ بڑے کے چمڑی کی ٹوپی اور کئی پلیٹوں کا کوٹ۔

میں ایرانی حمالوں کا ذکر کر چکا ہوں جو کہ باکو میں نظر آتے ہیں وہ پیرو سیک اور اسٹروجن میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور دیسی مزدوروں کی نسبت انہیں اکثر اچھا خیال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ دیسی مزدور اپنی جماعت کے اور روسیوں کی طرح ہفتہ میں ایکدفعہ بہت سی شراب پیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ دوسرے روز کام نہیں کر سکتے۔ ایرانیوں کی عادات سنجیدہ ہیں اور انپر روزانہ ہر وقت گھاٹوں اور بوجھ لادنے کی جگہوں پر حاضر ہونے کا بھروسا کیا جاتا ہے۔ مگر وہ تھوڑی سی رکیو وڈکی شراب پینا سیکھ گئے ہیں اور جب اُن سے کہا جائے کہ تم تو مسلمان ہو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ اُسوقت حرام ہوگئی تھی جب محنت کا کام نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ حمال بہت طاقتور ہوتے ہیں اور علیحدہ علیحدہ بوجھ اٹھانے میں بہت ہمت ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن وہ اکٹھے کام نہیں کرتے۔ اور ملکر ایک بھاری بوجھ کو اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے جو کہ اکیلے آدمی کی طاقت سے باہر ہو۔ وہ تنہا روسی اٹھارہ پود کا وزن اوٹھا کر لیجاتے ہیں جو کہ انگریزی اٹھتالیس پونڈ کے برابر ہوتا ہے۔ اخبار میں میں نے دیکھا ہے کہ نامہ نگار نے موجودہ مشہور ارمنی جھگڑے کی بابت لکھتے ہوئے ارمنیوں کو نحیف الجثہ بتلایا ہے۔ مگر جہانتک میں نے ایران۔ روس۔ آرمینیا اور کاکیشیا کا مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے دوسری قوموں اور ارمنیوں میں کوئی بڑا فرق نہیں پایا۔ باکو اور تفلس کی ریلوے لائن پر ارمنی طاقتور حمال عموماً پائے جاتے ہیں جہاں ٹھیکہ کی مزدوری کی وجہ سے زیادہ طاقتور آدمی ضرور آجاتے ہیں ؎

اگرچہ باکو کے تیل کی بہت سی آمدنی غیر ملکوں کے سرمایہ دار لیجاتے ہیں۔ تاہم بہت سی دولت دیسیوں کے واسطے بھی رہتی ہے اور اسی کے لگ جانے کی وجہ سے بحیرہ خضر کے ارد گرد کے علاقوں کی تجارت کو فروغ

حاصل ہوا ہے اور جہاز رانی کو ترقی ہوئی ہے۔ اب بحیرہ خضر میں ایکسو اسی اور دو سو کے درمیان تعداد اگنبوٹوں کی ہے۔ علاوہ بہت سے بڑے بڑے جہازوں کے جنہیں جرمن سویڈن والوں ارمنوں اور اتاری ایرانیوں کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔

والگا کی دو خانی جہاز رانی کی کمپنی دو حصوں پر منقسم ہے ایک دریا کے واسطے اور دوسری بحیرہ خضر کے واسطے۔ دوسرے حصے کے چھ بڑی بڑی اگنبوٹ ہیں جو ساٹھ سے اسی پوڈ کا بوجھ اوٹھا سکتے ہیں اور مایا یعنے تیل وغیرہ نو سو سے بارہ سو ٹن تک وزن کا آسکتا ہے۔ اون کے ماتحت افسر جرمن ہیں۔ اور کپتان روسی ہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ جرمن افسر والگا کی نوآبادی سے آتے ہیں اور غالباً کچھ سرمایہ اس جگہ سے بھی آتا ہے والگا کی دو خانی بحری کمپنی پچاس سال ہوئے ایک سکاٹلینڈ کے رہنے والے نے قائم کی تھی جسکا نام اینڈرسن تھا اور بعض پرانے جہاز ابتک اسباب لادنے کی کشتیوں کی طرح استعمال کئے جاتے ہیں۔

بحیرہ خضر کے بہت سے اچھے اچھے جہازوں کے کپتان سویڈن اور فنلینڈ کے رہنے والے ہیں۔ اون میں سے بہت سے انگریزی بولتے ہیں جو انہوں نے انگریزی جہازوں میں نوکری کر کے سیکھی ہے۔ جو دنیا کے تمام حصوں میں جاتے ہیں ہر کی کمپنی جو کہ اعلیٰ درجہ کے اگنبوٹ چلاتی ہے۔ سویڈن اور فینلنڈ کے افسروں کو نوکر رکھتی ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جب جگہیں خالی ہونگی تو اون کی بجائے اب روسی بحری افسر نوکر رکھے جائینگے۔ اس کمپنی کے جہاز بہت اچھی طرح نوکروں سے مہیا کئے گئے ہیں۔ بہت اچھی کوٹھریاں ہیں اور ان میں برقی روشنی کا انتظام ہے۔ لیکن بحیرہ خضر کے سب سے اچھے دو خانی جہازوں میں بھی خراب موسم میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ سوائے ان کے جن کو کوئی حرکت نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ چونکہ اس سمندر کے تمام ساحل پر پانی پتیلا ہے اسلئے سب بڑے بڑے جہاز بغیر شہتیر کے ہوتے ہیں اون کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بڑی بڑی کشتیاں ہیں جن میں انجن لگے ہوئے ہیں۔ اور جب ہر دن خالی

سمندر میں لنگر انداز ہوتے ہیں تو اون کی حرکت نہائیت خوفناک ہوتی ہے۔

ہم ۱۷ستمبر کی رات کو ایڈمیرل کورنیلوف میں سوار ہوئے جو کہ مرکری کمپنی کے سب سے اچھے جہازوں میں سے ایک ہے اور ۱۹ کی صبح کو انزیلی میں پہنچے۔ میں ملاحوں کو حکائیت بیان کرتے ہوئے کہ کس طرح بحیرہ خضر روسی سمندر بن گیا سنکر بہت خوش ہوا۔ جبیر کوئی ایرانی جنگی جہاز نہیں چل سکتا اس ایرانی سمندر کی حکومت گلستان کے ۱۸۱۳ء کے عہد نامے کی روسے روسیوں کو ملگئی۔ اور ملاح کہتے تھے جب شاہ کو بار بار مجبور کیا گیا اور وہ منظور کرنے کا بہانہ ڈہونڈتا تہا تو اس کے ایک درباری نے اوس کا ارادہ دیکھ کر کہا کہ فارس کو بحیرہ خضر کی نمکین مٹی اور پانی سے بہت نقصان پہنچتا ہے جس سے زمین بنجر ہو جاتی ہے۔

سمندر کے پانی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ کوئی اچھا کام نکلتا ہے اسپر شاہ نے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ بحیرہ خضر کا تمام پانی نمکین ہے جب اوس کو اسبات کا یقین دلایا گیا تو اس نے کہا یہ سب روسیوں کو دیدیا جاوے۔

ہم نے انزیلی میں ایکصورت سے ترقی دیکھی۔ وہاں ایک ہوٹل بہی تہا جس کا مالک ایک یونانی تہا اور جسمیں کافی جگہ تہی۔ ناشتہ کے واسطے ہمیں ایک نہائیت عمدہ سامن مچھلی دی گئی جس سے مجھے یاد آگیا کہ اس بات کی بابت شک ہے کہ آیا اصلی سامن مچھلی کبھی خشکی سے گھرے ہوئے سمندر میں پائی جاتی ہے یا نہیں۔ بحیرہ خضر کی سامن نہائیت عمدہ اور اصلی ہوتی ہے اوس کے عادات بالکل سمندر کی مچھلی کے سے ہیں صرف ایک افسوسناک فرق ہے کہ یہ مکھی یا چارے کی طرف دیکھتی یا چھوتی تک نہیں۔ خواہ کسی شکل میں کیوں نہو۔ اس واسطے کانٹے سے شکار نہیں کیجا سکتی۔ جیسے مچھلی ندیوں کے پانی میں جہاں سامن مچھلیاں بہی جاتی ہیں فوراً مکھی کو کہا لیتی اور نہائیت عمدہ شکار کا موقع دیتی ہیں۔ مگر چالاک سے چالاک ماہی گیروں کی تمام کوششیں سامن کے بارے میں ہمیشہ ناکام رہی ہیں۔ یہ مچھلی عموماً جال

سے پکڑی جاتی ہیں۔ اور بعض برف میں باندھکر طہران کو بھیجی جاتی ہیں۔ جو تازہ نہیں بکتی اوسے نمک لگاکر خوب تجارت کیجاتی ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس نمکین بحیرہ میں جو کہ سمندر کی سطح سے ۸۴ فیٹ نیچی ہے۔ سامن مچھلی کے پلٹ جانے کی یہ وجہ ہے کہ پیشتر یہ بحیرہ سمندر سے ملا ہوا تھا۔ مگر کسی زمانہ میں جسکی تاریخ آجکل موجود نہیں ہے زمین کے ایک حصے کے اوپر کو اٹھنے کی وجہ سے وہ تعلق منقطع ہو گیا۔

جب ہم ناشتہ کر چکے تو ہمارے پاس ایک افسر آیا جو کہ ایران میں ہمارے واسطے بالکل نیا تھا۔ اوس کو پروانہ راہداری کے دینے اور ملاحظہ کرنے کا اختیار تھا۔ وہ ان لوگوں کو پاسپورٹ دیتا ہے جو اپنے ساتھ نہ لائے ہوں جب ان باتوں کو مدنظر رکھا جائے جو کہ ایران کی ہمسایہ سلطنت میں رائج ہیں اور جہاز کے مسافروں کے ہجوم کا خیال کیا جاوے جو کہ آتے جاتے رہتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ اس کام کے اختیار کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ زباندانی کی لیاقت جو کہ اس عہدہ کے واسطے ضروری ہے وہ صرف روسی زبان تک محدود تھی اور جب اوس نے سنا کہ میں فارسی بول سکتا ہوں تو اس نے مجھ سے وہ باتیں دریافت کیں۔ جن کو وہ انگریزی پاسپورٹ سے معلوم کرنے کا بہانہ کرتا تھا۔ اس نے اس دہوکے کا اقرار لیا جس کے پورا کرنے پر وہ مقرر کیا گیا تھا اور ہم بغیر کسی زیادہ تفتیش کے آگے روانہ ہوئے۔ دن گرم تھا۔ مگر گرمی بہت تیز نہیں تھی سمندری ہوا کی مدد سے کشتی کہاڑی میں سے گذر کر پیر بازار ندی میں جا پہنچی۔ موسم خشک تھا ہم گاڑیوں میں بیٹھکر مبارک آباد کے راستے رشت پہنچے۔ اس طرح کیچڑ کے ایک سمندر میں بھیگنے سے بچ گئے جیسا کہ بڑی سڑک پر اکثر واقعہ ہوتا ہے۔ انزلی کی کہاڑی میں بے شمار جنگلی چڑیاں اور مچھلی پکڑنے والے پرندے رہتے ہیں اور تھلی جگہوں کے ساحل کے قریب پایاب چلنے والے جانوروں میں سے بڑے بڑے ماہی خوار اور لقلق ہیں یہ جگہ اون کے واسطے بہشت ہے کیونکہ اس میں اونکو خوراک کے واسطے مچھلیاں اور مینڈک کثرت سے ملجاتے ہیں۔

میرے ساتھیوں میں سے ایک نے اس کہاڑی میں ایک زخمی لقلق کو
پکڑنے کی کوشش کا قصہ بیان کیا۔ وہ معہ اوس کے ایک جنگلی بطخ کے
پیچھے جا رہے تھے۔ اوس کے دوست نے ایک مضبوط لقلق کو پکڑنا چاہا
جو کہ ذومتضاد یعنے سیاہ اور سفید رنگوں کے پروں کی وجہہ سے نہایت
شاندار معلوم ہوتی تھی۔ اوس نے بندوق سے اوسے زخمی کیا اور اوس کا
ایرانی نوکر اوس کو پکانے کے خیال سے چھری ہاتھ میں لے کر اوسے ذبح
کرنے کے لئے دوڑا۔ تاکہ وہ ایک مسلمان کے کہانے کے قابل ہو جائے۔
پرندہ پکڑنے جانے پر اپنے قاتل کے ہاتھوں میں بہت تڑپا اور اپنی لمبی چونچ
کو جلدی سے کہول کر اتفاقاً آدمی کے سر کو اپنی چونچ کی شاخوں میں پکڑ لیا
لمبی چونچ کے تیز کناروں نے اوس کے رخساروں کو زخمی کر دیا وہ آدمی
درد اور اس خوف کی وجہہ سے کہ یہ تو مجھے ذبح کئے دیتا ہے چیخ اٹھا۔ اوسکا
مالک اوسکی مدد کو پہنچ گیا۔ اور پرندے کی چونچ کو زور سے کہول کر اس
کے سر کو چھڑایا۔ لیکن وہ اپنے غش کہاتے ہوئے ملازم کو سنبھالنے میں
اسقدر مشغول ہو گیا۔ کہ زخمی لقلق موقعہ پا کر جلدی سے صحیح و سلامت
اپنی لمبی چونچ کہولے ہوئے جیسی کہ اوس بے آواز پرند کی عادت ہے
اور ایک کامیابی کی شکل بنائے ہوئے بہاگا۔

انزلی شمالی ایران کے واسطے ہند اور چین کی چائے کی درآمد کا بندر
بنا جاتا ہے بہت تہوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایران بحیرہ خضر کے اردگرد کے ملکوں
اور روس ترکستان میں سمرقند تک کو چائے بمبئی سے خلیج فارس کے بندر
سے ہو کر گذرتی تہی۔

اب چونکہ روسی ریلوے کا کرایہ کم ہو گیا ہے اور تیل کے آگبوٹوں میں جو کہ
بالتوم سے والپس آتے ہیں۔ مشرق اسباب کم ہوتا ہے اسوجہہ سے یہ تبدیلی
پیدا ہو گئی ہے۔ روسی ملک کی چائے کو باکو کیطرف منتقل کرنے کے لئے
خاص انتظام کیا گیا ہے یہ چائے ایران کیطرف محصول میں خاص رعائیتوں
کے ساتھ بہیجی جاتی ہے۔ یہی وجہہ ہے کہ یہ اب رشت میں باکو کی نسبت ارزاں

ملتی ہے۔ کیونکہ باکو میں قیمت کے علاوہ بہت سا محصول ادا کرنا پڑتا ہے۔ ہندوستان کے باریک ململ جیسے کپڑے جن کی وسط ایشیا میں گرمیوں کے واسطے مانگ ہوتی ہے۔ اور جو پیشتر ایران کے راستے جاتے تھے۔ وہ بھی اب اس راستے ہیں جس سے چلے ہے۔ اس طرح دخانی اور بحری راستے اب تک اونٹ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

اور خریداروں کے گھروں کے سب سے دور کے راستے کو سب سے قریب کا اور سستا بنا رہے ہیں۔ چائے کی مثل روسی چقندر کی کھانڈ بھی انزیلی رشط میں باکو میں ارزاں ہے۔ کیونکہ گبر آمد پر محصول بہت کم لیتی ہے۔ چائے اور شکر کا خرچ ایران میں پہلے سے بہت تھا۔ مگر اب روسی تجارت کی فروغ کیوجہ سے وہ اور بھی بڑھ جائے گا۔ فرانس کی چقندر کی کھانڈ۔ روسی کھانڈ کا نربنا اندکی راہ سے تبریز پہنچکر مقابلہ کر رہی ہے۔ لیکن اگر طہران کے نواح میں خقندر کی کھانڈ بنانے کا تجربہ جو ہو رہا ہے ٹھیک نکلا تو ایرانیوں کو اس مقابلہ سے بہت فائدہ پہنچے گا۔

روسی تجارت ایران میں عموماً ارمنوں کے ہاتھ میں ہے جنہیں سے بعض نے بہت سی دولت جمع کر لی ہے۔ یہ بات صرف مغرب میں مشہور ہے کہ یہودی زندگی کے ادن راستوں کے طے کرنیکی اعلیٰ قابلیت کا نمونہ ہے جن کے طے کرنے میں ادن اعلیٰ خوبیوں کی ضرورت ہوتی ہے جو آدمی کو اپنے ہمسائے سے بہتر بنا دیں۔ مشرق میں یونانی اور ارمن ان سے بڑھے ہوئے ہیں اور ایک مثل مشہور ہے کہ ایک یونانی دو یہودیوں کے برابر ہے۔ اور ایک ارمنی دو یونانیوں کے برابر ہوتا ہے۔ یہ یہاں ذکر کیا جاسکتا ہے۔ کہ یہودیوں کے واسطے ایران میں کوئی اچھا موقعہ نہیں ہے۔ اون کے واسطے وہ آسانیاں نہیں ہیں جو دولتمندی کیطرف لیجاتی ہیں وہ نہایت غریب پیشوں تک محدود ہیں۔

غالباً یہودیوں کے ساتھ یہ بدسلوکی اور نفرت کی وجہ سے ہے جو کہ ایک یہودی طبیب مسمی سعد الدولہ کی زیادتیوں کی وجہ سے لوگوں میں پیدا

ہو گئی۔ یہ شخص ۱۲۸۹ء میں بادشاہ ارغون کا وزیر ہو گیا تھا۔ اوس نے اپنی خوش اخلاقی اور دلپذیر گفتگو کی وجہہ سے ترقی پائی ہے۔ اور اپنی کمزور طبیعت بادشاہ پر ایسا قبضہ حاصل کر لیا تھا کہ اس کو تمام اعتبار اور نفعوں کی جگہوں سے مسلمانوں کو بے وقوف کرنے کی اجازت ملگئی تھی۔ یہانتک کہ اوس نے حکم دیدیا کہ کوئی بادشاہ دربار شاہی میں نہ آئے۔ مشرقی عیسائی اس زمانہ میں بہ نسبت اب کے بہت اچھی حالت میں تھے۔ اور تعداد میں بھی بہت تھے۔ سعد اللہ نے اپنی قومی نفرت کو جو یہودیوں کو نصاریٰ سے ہوتی ہے اوس کینہ سے بدلدیا جو اس کو مسلمانوں سے تھا۔ لہذا اس نے عیسائیوں کو اون مسلمانوں کی جگہ بھرتی کردیا جنکو اس نے موقوف کر کے دربار سے نکالدیا تھا۔ ان زیادتیوں کے بدلہ میں اس کو موت کی سزا دیگئی کیونکہ جسوقت اسکا شاہی مربی مرگیا وہ قتل کردیا گیا۔

رشت کی ریشم کی تجارت جسکو اس بیماری سے بہت صدمہ پہنچا تھا جو بحیرہ خضر کے علاقوں کے کیڑوں سے شروع ہو گئی تھی اور ایران میں بھی پہل گئی تھی اب پھر چمک رہی ہے۔

خانہ دار بیجوں کے رواج دینے میں بڑی کامیابی ہوئی ہے اور ریشم کی خول کی برآمد بہت سرعت سے بڑھ رہی ہے اس پرانی دستکاری کے نئے شروع ہونے کی وجہہ سے شہتوتوں کی کاشت کو بہت ترقی ہوئی ہے۔ اور ایرانی زمین کی کاشت کے واسطے بہت مانگ ہے۔

اب بالوم کے قریب کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر چائے کے بونے کی کوشش کیجارہی ہے۔ ابھی یہ معلوم نہیں کہ آخری کامیابی کی کیا صورت ہو گی۔ لیکن جو کچھ پہلے سے وہاں ہو رہا ہے اوس سے رشت میں بھی ایسا ہی تجربہ کرنے کی ترغیب ہوتی ہے۔ ایرانی کیسپین علاقوں میں جہاں ہر طرح کی آب وہوا ملسکتی ہے پہاڑیوں کے درختوں سے ڈھکے ہوئے نشیب چائے کی کاشت کے واسطے نہایت عمدہ معلوم ہوتے ہیں۔ کاسوس کی جھکرطوں کی مٹرک جسے ایک روسی کمپنی بنارہی ہے ایک ایسے ہی زرخیز حصے میں سے ہو کر

آئندہ بگی۔ اور یہ بہت سے دولت کے قدرتی ذرائع کیطرف توجہ مبذول کرنہیں مدد دیگی۔ جن کی طرف ابھی تک بالکل خیال تک نہیں کیا گیا۔

چونکہ ہم ایران کے پرانے سیاح تھے۔ ہمیں فوراً یاد آگیا کہ ہم پھر اوس زمین میں پہنچ گئے ہیں جہاں کی گفتگو پرتکلف ہوتی ہے اور مبالغہ آمیز فقرہ (بچشم) سے خطاب کیا جاتا ہے۔ یہ ذلیل فقرہ ہمارے ہاں ورڈمے میں رائج ہونے کی وجہہ سے بہت مشہور ہے۔ لفظ چشم مخفف ہے بسر و چشم کا جس کے معنے ہیں میرے سر آنکھوں پر یعنے میری سر آنکھیں جاتی رہیں اگر میں تمہارا کام نہ کروں۔ ہم نے نیز ایک ایسا ہی مگر ذرا کم تکلف کا جواب "چرا" سنا تھا اس کے معنے ہیں کیوں اور استعمال ہوتا ہے بجائے کیوں نہیں کے یعنی میں کیوں آپ کی "تابعداری نہیں کرونگا یعنی کرونگا۔

ہم پھر کاسوبن تک گئے یہ اس مکروہ سڑک پر نصف فاصلہ پر واقعہ ہے جو رشت سے طہران کو جاتی ہے۔ شروع کے چالیس میل تک نظارہ درختوں والی پہاڑیوں سے تشذیب سبز پودوں اور صاف پانی کی بہتی ہوئی ندیوں کی وجہہ سے بہت دل خوش کن تھا۔ چوکیاں اب بھی ویسی ہی تھیں یعنے اون میں بہت کم ضروریات تھیں اور آرام ان میں اتنا کم تھا جتنا کم کسی جیل میں ہونا ممکن ہے۔ جنرل پرنس کرو پیٹکن اور اس کے ہمراہیوں کے واسطے کچھ ترقی ہوگئی تھی جو کہ طہران میں شہنشاہ نکولس ثانی کی تخت نشینی کی خبر دینے آیا تھا۔ لیکن اوس ترقی کو برقرار رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ سوائے ایک جگہ کے جسکا نام منزل ہے طہران میں یہ افواہ تھی کہ اروسی چھکڑوں کی سڑک کے بنانے کا کام جو کہ خوب اچھی طرح ہو رہا ہے جنرل کورو پیٹکن کے سینٹ پیٹرز میں جاکر زور دینے کی وجہہ سے شروع کیا گیا تھا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب شاہ نے اوسے سفر کا حال پوچھا تو اس نے موقع پاکر کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ دارالخلافہ کی سڑک ایسی خراب ہے۔ امیر شاہ نے کہا کہ یہ آپ کے ہموطنوں کا قصور ہے جنہوں نے اسے اچھی طرح بنانے کا ٹھیکہ لیا تھا اور پھر اوسکو ایسا ہی چھوڑ دیا

اب نہیکے کی میعاد تک کوئی اور بھی اوس کو ٹھیک نہیں کر سکتا۔ روسی اخباروں نے۔ جن کو اس بات میں بڑی دلچسپی تھی یہ لکھنا شروع کیا کہ شمالی ایران میں روسی تجارت کو فروغ دینے کے لیے سخیرات کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اچھی سڑکوں کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سود جو کہ گورنمنٹ غالباً سڑک کے سرمایہ پر دیگی وہ تجارتی خیرات میں صرف ہو۔ جمع شدہ چندہ ایک عمدہ ٹھوس کے لئے کافی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس میں میہوں کے واسطے گہرے لتان بنا دیئے جائیں تا کہ آئندہ ریل بنانے میں آسانی ہو۔ موجودہ چھکڑہ سڑک جو کہ کاسوین سے طہران کو جاتی ہے ایک معمولی راستہ ہے جو کہ بلند زمین کے ایک ہموار قطعے پر خوب سیدھا بنایا گیا ہے اور چھوٹی چھوٹی ندیوں پر کچھ پل بھی بنے ہوئے ہیں ۹۵ میل کا فاصلہ بڑے آرام سے تین گھوڑوں کی گاڑیں جو دہشی اٹھارہ گھنٹے میں طے ہو سکتا ہے۔ مٹی ایسی قسم کی ہے کہ یہ سڑک ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ایک عمدہ موسم میں ایک عمدہ سڑک ہوتی ہے اور چونکہ ایک روسی کمپنی نے اسے کرائے پر لے لیا ہے اسلئے امید ہے کہ ایرانی چھکڑوں کو ترقی کے لئے اس میں اور بہت سی ترقی ہوگی۔ بعض ان میں کے پہلے ہی چلتے ہیں۔ بحیرہ خضر کی روسی بندرگاہوں اور ایرانی دارالخلافہ کے درمیان آمد و رفت کا ذریعہ پورا ہونے پر وہ لوگ عملی طور پر اسطرف متوجہ ہو جائینگے جنکو ایرانی معاملات میں کچھ بھی دلچسپی ہے۔

بہت سے ملا جن کی طبیعت فطرتی فسادی واقعہ ہوئی ہے ایسی باتوں کے خلاف کارروائی کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں جنہیں اونکا مشورہ لیکر اون کا اطمینان نہ کر دیا گیا ہو۔ اس روسی سڑک کو جو رشت سے بنیگی ایک تبریز کے مجتہد مرزا جواد نامی لئے جو کہ تمباکو کی شورش میں کامیابی حاصل کرنے کی وجہ سے اپنے آپکو ایک بڑا آدمی سمجھنے لگ گیا ہے۔ باعث شورش عامہ بتلایا ہے۔ سنا ہے کہ یہ مولوی بہت دولتمند ہے اور اسکا تبریز کی گیہوں کی کوٹھیوں اور تجارت میں اپنا ذاتی لالچ ہے۔ جب اسکو

دیکھا کہ یہ نئی سڑک تبریز کا بہت سا کاروبار کھینچ کیجائے گی۔ اوس نے رشت کے ملاؤں کو بہڑکانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔ تاکہ وہ مذہب کی بنا پر یورپیوں سے شہر میں روز بروز پہیلتے جانے کا بدلہ لیں۔ اس کام میں جوش کا بہانہ بہت ضعیف تہا۔ کیونکہ رشت کے ملاؤں کی مقامی ترقی میں ذاتی غرض تہی اسلئے فساد نہ اوٹھ سکا۔

ذاتی اور دنیاوی معاملات میں ملاؤں کے دخیل ہونے کے بارے میں جو خیال عامہ تہا اوس میں تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ تمام لوگوں کے معاملات پر قابض ہونے کے دعوے کی بابت اب یہہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ دینیات کے طلبا کے جوش کا ایک پہلا اوبال ہے جو متعصب ملاؤں کے بہڑکانیوالی تعلیم ابہی فارغ ہو کر آتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی پرانی شان کے چلے جانے پر افسوس کرتے ہیں۔ اور آزادی کے خیالات کو پہیلتے ہوئے دیکھکر خوفزدہ ہوتے ہیں جوکہ آجکل ایران میں اپنا قدم جمائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۱ء کی تمباکو کی شورش نے ملاؤں کو اپنا تسلط جمانے کا موقعہ دیدیا جبکو وہ فوراً ہاتہہ میں لے خلقت کیطرف سے بہادر بنکر میدان میں آگئے۔ اور بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ جس مہم کی وجہہ سے یہ شورش پہیلی تہی وہ انگلستان کی طرف سے تہی۔ یہ خیال کیا گیا تہا کہ اس تمباکو کی ٹہیکے سے بہت نفع ہوگا۔ اور لوگ اوس کی بہت سی قیمت دینے کو تیار ہیں جس کو وہ زندگی کی ضروریات میں سے سمجھتے ہیں۔ ملک کی حالت کا موازنہ کرنے سے پیشتر ہی ٹہیکے کے اختیارات کو جبراً رائج کرنا شروع کر دیا۔ یہ تحریک کی گئی تہی۔ کہ کمپنی پہلے اپنا عمل برآمد تک محدود رکہے۔ اور اس سے نفع بہی بہت ہوتا۔ اور یہ کہ بعد میں طہران سے کام شروع کیا جائے۔ لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ ٹہیکہ دار بہت اچھا تمباکو مہیا کریں گے اور قیمت بہی نہیں بڑہائینگے کمپنی دعویٰ کرتی تہی کہ اون کے انتظام کا یہی نتیجہ ہوگا۔ لیکن ہر بات بہت اندازے پر سوچی گئی تہی۔ یہی بات فائدہ کی تہی بہت جلدی دولت کمانے کے خیال میں یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ٹہیکے کے سب اختیارات پر

ایسی عملدر آمد کیا جائے۔

ایک بہت ناعاقبت اندیش حرکت سے آغاز کیا گیا۔ اس طریقے سے تلاشی لینی شروع کی کہ لوگوں کو اپنے گھروں کی پردہ دری کا خوف ہوا جو کہ مسلمانوں کی قوم میں ایک نہایت ہی خوفناک تجویز ہے ۔

خریداروں فروخت کنندوں اور پینے والوں کے شکوک اور خطرات پر ملاؤں نے جو کہ مذہبی فرقے کی حکام پر فوقیت ثابت کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں خوب حاشیے چڑھائے۔ تب ایک اتنی بڑی سازش ہوئی کہ کبھی ایسی کوئی معلوم نہیں۔ کربلا جو کہ شیعہ مسلمانوں کا سب سے زیادہ مقدس متبرکہ ہے۔ وہاں کے مجتہد نے فتوے دیا کہ تمباکو پینا ناجائز ہے۔ اور ہر مسلمان عورت۔ مرد بچے کو اوس کے خریدنے یا بیچنے سے منع کر دیا۔ یہ سازش بہت وسعت سے ہوئی۔ تقریباً دو لاکھ آدمی اسمیں شریک ہونگے اور یہہ دیکھنے کو انتظام کیا گیا تھا کہ آیا کربلا کے فتوے پر عمل کیا جاتا ہے یا نہیں۔ بڑے ہوشیار آدمی مشکوک چائے کی دوکانوں میں ملاؤں کے اشارے پر گھس پڑتے اور حقوں کو ڈھونڈ کر توڑ ڈالتے۔ ان کفر بکے گلیوں میں حقے بھی رکھے ہوئے رہتے۔ جب شاہ طہران کے بازاروں میں سے گذرتا تو چائے کی دوکانیں خالی نظر آتی تھیں اور بنچوں پر سازش کا اثر معلوم ہوتا تھا جنپر اوس کی رعیت کے لوگ بیٹھکر حقے اور چائے کی سادہ خوشی میں مشغول ہوتے تھے۔ یہ فتوے پردے دار گھروں میں بھی جا پہنچا۔ اور زنانخانوں میں اسپر پورے طور سے عمل کیا جاتا تھا۔ یہ منا ہی کا حکم محلات شاہی میں بھی پہنچ گیا۔ اور بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ اوس کے خلاف حکم نہیں چل سکتا۔ کہتے ہیں کہ ایک شہزادہ جو کہ تمباکو نہیں پیتا تھا کئی دفعہ اپنی ایک پیاری بیوی سے کہہ چکا کہ حقہ پینا کم کر دو۔ لیکن اس کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ جب فتوی کی خبر پہنچی تو فوراً چھوڑ دیا۔ شہزادے نے کہا میری فہمائشوں کا تو کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور میرے جواہرات کے انعام سے بھی انکار کیا۔ مگر مولوی کے فتوے کو مان لیا۔ اور یہہ ایسی جگہ کا واقعہ ہے

UBA0000003386URD

جہاں تھوڑا عرصہ بیشتر ملاؤں کی کچھہ حقیقت نہ سمجھی جاتی تھی۔

اب بعض بعض آدمی ایسے پائے جاتے ہیں جو ملاؤں کی مغرورانہ طاقت اختیار کرنے پر غصہ کرتے ہیں اور اپنے آپکو ان کے منحوس قبضے سے چھوڑا رہے ہیں۔ فارس میں رائے اور تقریر کی ہمیشہ سے آزادی رہی ہے چھہ سو سال کا عرصہ ہوا عمر خیام اور حافظ دو ایرانی شاعروں نے اس آزادی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ان فسادی ملاؤں سے نفرت ظاہر کی۔

کچھہ بہت عرصہ نہیں گذرا کہ ایک گدھے ہانکنے والا لڑکا کسی مولوی کو اپنے گدھے پر سوار جاتا دیکھکر کہدیتا تھا "برو اخوند" "بڑھے چلو اے مولوی" تہہ لوگ بہت خوش ہوتے تھے۔ برو فارسی لفظ ہے اس کے معنے ہیں بڑھے چلو اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بھاری بوجھہ سے لدے ہوئے گدھے ہانکے جاتے ہیں۔ ایران کا گدھا ہانکنے والا بھی ایسا دلیر اور حاضر جواب ہوتا ہے۔ جیسے مصر کا کہتے ہیں کہ کسی اعلے ایرانی افسر نے ایک لڑکے کو جسکے گدھوں کی وجہہ سے گاڑی بازار میں رک گئی تھی کہا "او گدھے آگے سے ہٹ جاؤ۔ او گدھوں کو ہانکنے والے" لڑکے نے فوراً جواب دیا "تم خود گدھے ہو اگرچہ آدمیوں کو ہانکتے ہو۔"

ایران کی تمباکو کی سازش کے بیان کو پورا کرنے کے طور پر میں اتنا اور کہہ سکتا ہوں کہ اگر کمپنی والے سوداگروں کے طور پر کام کرتے تو چونکہ آنکے پاس نقد روپیہ بہت تھا۔ اسلئے۔ تمباکو کی کاشت کے مرکزوں میں اگر آغاز کیا جاتا تو وہاں تمباکو کو بونے والے کسانوں پر بہت اچھا اثر پڑتا وہ نقد ادائیگی کے فائدوں کو بہت پسند کرتے اور اس انتظام کے برہم ہو جانے پر بہت افسوس کرتے اور حکام کو فوراً محاصل کے وصول ہو جانے سے بہت فائدہ تھا۔ لیکن جب اجارے کے معنے سمجھے تو چونکہ یہہ لفظ ایران میں بالکل معلوم نہیں تھا وہ بہت ڈرے اور جو لوگ کچھہ روپیہ رکھتے تھے انہوں نے اجارے کو عمل میں لانے سے بیشتر تمباکو کو مہیا کرنے میں لگا دیا۔ غریب لوگ سمجھے کہ اب قیمت بڑھے گی۔ اسلئے انہوں نے بڑی

Acc-3386, dt-25-10-62
National Lib
Calcutta-2

خوشی سے ملاؤں کو پیارے تمباکو کی ڈراؤنی مصیبت سے چھوڑا لینے والے سمجھکر اون کی پیروی کی +

ایران پر قومی قرضہ صرف وہ ہے جو اُس اجارے کے واپس لینے اور اخراجات کے ادا کرنے میں جو کہ اسُ میں ہوئے تھے صرف کرنے کے واسطے لیا گیا تھا۔ لیکن باہر کی چیزوں کو گورنمنٹ کیطرف سے بیچا جانا (جو کہ اجارے کا ایک حصہ تھا) تقریباً قرضہ کیلئے کافی معاوضہ تھا۔ قسطنطنیہ کی تمباکو کی سوسائٹی کو جسنے تمباکو خرید کر باہر بھیجنے کا ٹھیکہ لیا تھا ایک اور تکلیف کا سامنا ہے جو اسکو ایک ایرانی انجمن کی وجہہ سے ہوئی ہے جو کاشتکاروں سے خرید کر اجنبی ایجنٹوں کے پاس بھیجنگے۔ کہتے ہیں کہ ایک بڑے مشہور مولوی کی اس میں کچھہ غرض تھی۔ یہ کام اون اصولوں کے بالکل خلاف تھا جنپر پہلا اجارہ بنا کیا گیا تھا جسکو ملاؤں نے ناجائز بتایا تھا۔ آزادانہ تجارت میں دخل دینے کا دستور موجود تھا۔ اس لیئے جب قسطنطنیہ کی کمپنی نے ٹھیکہ لیا تو ایک جھگڑا پیدا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک نئی دستاویز پر دستخط ہو گئے جسمیں ایک یہ شرط تھی کہ اگر ایرانی تمباکو اجارہ پہلی صورت میں پھر کبھی قائم ہو تو فرانسیسی رعایا کو سب سے پہلے موقعہ دیا جائے۔

بڑے بڑے ملاؤں نے تمباکو کے اجارے کا فیصلہ کرنے کے بعد ایران میں تمام اجنبی محصولوں کو روکنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے انگریزی بنک کے خلاف فتویٰ دیدیا جو کہ بڑے آرام سے اپنا کام کر رہا تھا۔ اور دوسروں کی کام سے اوس کو کچھہ تعلق نہیں تھا۔ لیکن شاہ نے اونکو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اب تم کو زیادہ باتیں بنانے کا موقعہ نہیں دیا جاویگا۔ اب زیادہ تنگ مت کرو۔ تب انہوں نے تمام لوگوں پر ایک ظاہر نشان کے ذریعے سے اپنی حکومت کا سکہ بیٹھانے کی کوشش کی اور فتوے دیا کہ ڈاڑھی منڈانا منع ہے مسلمانوں کے واسطے ڈاڑھی رکھنا نہایت ضروری ہے۔ تب وہ مقابلہ کے واسطے باقاعدہ گروہ بنانے کی کوشش کرنے لگے اور حجاموں کو

دھمکایا کہ اگر تم باز نہ آؤ گے تو تمہاری دوکانیں برباد کردی جائینگی۔ اس وقت ایک یورپی کونسل جب شاہ سے ملنے گیا تو شاہ نے اپنی عادت کے موافق اوس سے دریافت کیا کہ تمہاری یورپی محلے کی کیا خبریں ہیں اس نے کہا کہ لوگ ملاؤں کے فتوے کی وجہ سے بہت بے قرار ہیں شاہ نے اپنی منڈھی ہوئی ٹھوڑی پر ہاتھ پھیر کر ایک مذاقیہ طور سے کہا۔ دیکھو میں ڈاڑھی منڈواتا ہوں اور نہیں بکنے دو وہ کچھ نہیں کرسکتے۔

یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ لوگوں کے دلوں سے ترقی کی خواہشیں معدوم ہوچکیں اور ان کا مذہب اون کی خواہشوں کو دبائے ہوئے ہے یہ سچ نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سے ملا ترقی اور تعلیم کے مانع ہیں ایک مولوی نے تعلیم کے بارے میں لوگوں کی بابت کہا کہ وہ خود اپنے واسطے قرآن شریف پڑھنے لگ جائیں گے۔ تو پھر ہمارے واسطے باقی کیا رہجائے گا۔ ملک مجموعی حالت میں آہستہ آہستہ ترقی کر رہا ہے۔ مگر ایک جگہ پر ساکن نہیں ہے اور نہ پیچھے ہٹ رہا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے ۱۸۹۱ء سے ۱۸۹۲ء تک کی ملاؤں کی سازشوں نے ایک بے آرامی سی پیدا کردی تھی۔ ناخوشی کے خیالات کو ظاہر کرنے کے واسطے تمام تکالیف عامہ سے بہت فائدہ اٹھایا گیا۔ فسادی ملا بازاروں میں پہرے باندھکر چلتے تھے اور لوگوں کو گورنمنٹ کے خلاف بھڑکاتے تھے۔

یہ فسادی اسقدر زور اور گستاخی سے بولتے تھے کہ پرانے مذہبی رہبروں کو غصہ آگیا جو کہ اعلیٰ درجہ کے تعلیمیافتہ اور امن پسند لوگ تھے اور اس فساد کی انجمن میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھکر یہ سنجیدہ دل لوگ ان خود منتخب رہبروں کی تردید کرنے پر آمادہ ہوگئے جب ظاہر طور پر ایسے زنی ہونے لگی تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ بعض لوگ کہنے لگے آئندہ یہ ملا لوگ ہم پر حکومت کرنے لگ جائینگے۔ خانہ بدوش لوگ نہ صرف ملاؤں کی حکومت منظور کرنے سے انکار کرتے رہتے تھے بلکہ وہ مقابلہ کرنے کو بھی تیار تھے۔ اگر دنیاوی امور پر دینیات کو حاکم بنانے

کی کوشش کیجاتی تہی۔ اور شاہ نے ان ایکدوسرے کے مخالف خیالات کا عقلمندی
سے انتظام کرکے اپنی طاقت کو قائم کیا۔ ہو سکتا ہے کہ ملاؤں کو سمجھا دیا
گیا ہو کہ جیسے ایک قاضی القضات نے نادر شاہ کے سامنے کہڑے ہو کر اسکو
نصیحت کی تہی کہ آپ صرف دنیاوی امور تک اپنے اختیارات کو محدود رکہیں
اور مذہب کی باتوں میں دخل نہ دیں ۔

باب (۲)

ناصرالدین شاہ ایران کے تخت پر دو سو ترین بادشاہوں کے بعد بیٹھا
تہا۔ وہ دس ستمبر ۱۸۴۸ء کو اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ اور اسلامی جنتری
کے پچاس سال تک حکومت کرکے اپنی جبل میں شامل ہوتا۔ اگر ایک بزدل
قاتل اُس کو جمعہ کے دن چہٹی مئی ۱۸۹۶ء کو قتل نہ کر دیتا۔ میرے خیال
میں یہ سب سے زیادہ دور سلطنت تہا جسکی مثال تاریخ ایران میں نہیں
مل سکتی۔ سوائے شاہ طہماسپ کے جو ۱۵۷۶ء میں ترپن سال تک حکومت کرکے
مرا تہا۔ لیکن وہ تخت پر دس برس کی عمر میں بیٹھا تہا اور ناصرالدین شاہ
سترہ برس کی عمر میں بیٹھا تہا۔ آخری عمر تک بادشاہ اپنی جسمانی اور روحانی
قوا کے برقرار ہونے کی وجہہ سے مشہور تہا اوس کی صحت بہت اچھی تہی
اس میں شک نہیں کہ یہ اوس کی خانہ بدوشی اور سادہ طور پر زندگی بسر
کرنے کی وجہہ سے تہی اوس کو شکار کا بہت شوق تہا۔ اور اپنا بہت سا
وقت گہوڑے پر گذارتا تہا۔ ایران کے پہلے بادشاہوں کی طرح اوسکی
بابت یہ اچھی طرح کہا جاسکتا ہے کہ شاہی فیصلے بادشاہ کی رکاب پر لکہے
جاتے تہے۔ کیونکہ امراء کو کیمپ اور شکارگاہ میں اس کے ہمراہ جانا پڑتا تہا

اس طرح اوس کے درباری عیش و عشرت میں پڑنے سے بچ جاتے تہے۔ پہاڑون اور میدانون مین بڑے بڑے قطعے زمین کے شکاری جانورون کے واسطے لکہے جاتے تھے فرصت کے دن بطخون یا تیترون کو باز کے ذریعہ سے شکار کیا کرتا تھا اس بدوی زندگی نے مع شکار کی علاوات کے اوسکو خوش طبع بے تکلف بنا دیا جسکی وجہ سے اوسکی رعایا اوس سے محبت کرتی تھی اور اوسپر اعتبار کرتی تھی۔ وہ بہت محنتی تھا اور ملکی اور اجنبی معاملات سے خوب واقف تھا اگر کوئی سازش محل مین ہوتی بھی تھی تو اوسے اوسکی کچہ پرواہ نہین تھی اور وہ اپنے وزیرونکو بہت کم تبدیل کرتا تہا اوسکے امرا کے دیر تک اپنے عہدون پر قایم رہنے کی وجہ سے لوگونکی سلامتی کے اون خیالات کو تقویت پہنچ گئی جو بادشاہ کی ذاتی مضبوطی نے پیدا کئے تھے

سنہ ۱۸۸۹ء کے بعد ناصر الدین شاہ کی شکل مین بہت کم تبدیلی پیدا ہوئی تھی جبکہ اسکی شکل تمام یورپ کو معلوم تھی اب بھی اوسمین وہ قدم کی چستی اوضاع و اطوار کی خوبی اور لباس کی عمدگی موجود تھی۔ جو اوسوقت تھی اپنے دربار مین وہ ایک موثر تصویر تھا اور اس مین اور اسکے درباریون مین بین فرق تھا کیونکہ اون سبکے لباس مین کوئی نہ کوئی نقص پایا جاتا تھا جسکی وجہ سے وہ اپنے شاہی نمونے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھی شائید یہ ایک طرح کی خوشامد ہو۔ تاکہ سب دیکھنے والون کی نظر بادشاہی پر پڑے غالبًا شاہ کی نسبت اور کوئی زیادہ اچھی طرح اس بات کو نہین جانتا تھا کہ ہر سال سلطنت کے علاقون کے انتظام کا ٹھیکہ دینا خزانے کے واسطے بھی مضر ہے اور لوگون کا بھی اس مین نقصان ہے لیکن اوسے یہ بھی معلوم تھا کہ تبدیلی یقینًا تدریجًا ہونی چاہئے کیونکہ پرانی رسمون اور یادگارون کی وجہ سے ایران مین تبدیلی فورًا نہین ہوسکتی۔ اوسنے تمام علاقون کے مرکزون مین تارگہر بنا کر اس نقص کو بہت کچھ دور کر دیا تھا کیونکہ اسطرح وہ اپنی رعیت کے بالکل قریب ہوگیا تھا یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ مظلوم کو تار جیسے ظاہر ذریعے سے اپنی شکائیت بہیجنے پر آمادہ کرنا بہت مشکل ہے تاہم بعض اوقات تار سے یہ کام لیا جاتا ہے +

تار بھیجنے والے صاف صاف اپنا نام ظاہر کر دیتے ہیں اور بڑے بے صبری سے اوس کے جواب کا انتظار کرتے ہیں۔

ایرانی ڈاک کا محکمہ ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ ایک پوشیدہ ایجنسی ہے جسکے ذریعہ شاہ کے پاس ایک آزادانہ اور قابل اعتبار رپورٹ تمام ملک کی بھیجی جاتی ہے۔ وہ محکمے جسکے افسر حکام کے چال وچلن کا حال بادشاہ دار الحکومت کو بھیجا کرتے تھے۔ اب روزانہ تاروں کے انتظام سے بدل گیا ہے۔ تار کی تمام تقرریاں ایک افسر کرتا ہے جسے مخبر الدولہ کہتے ہیں۔ جو طاقت اس انتظام کے ذریعہ سے استعمال کی جاتی ہے اوس کی ایک مثال میرے سامنے واقع ہوئی۔ ایکدفعہ ایک دور کے علاقے کا صوبیدار ایک رئیس پر خفا ہو گیا اور لالچ میں آکر ایک بے بنیاد قصور پر جرمانہ کر دیا اوس نے جرمانہ ادا نہ کیا تو اوس پر گردن کشی کا جرم لگایا گیا۔ اور لاٹھیوں اور قید کی بے رحم سزا دیگئی۔ تار بابو نے اگرچہ حاکم شاہ کا ایک قریبی رشتہ دار تھا۔ اس تمام واقعہ کی رپورٹ کردی تار کے ذریعہ سے شاہ دور دراز جگہوں میں اپنی طاقت کا سکہ بٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ایک صوبہ دار کو تار کے دوسرے سرے کے دفتر میں بلا لیا کرتا تھا اور اپنا حکم سنا دیا کرتا تھا اس موقعہ پر شاہ نے ذاتی تفتیش کے بعد قیدی کو رہا کرنے کا حکم دیا اور جب کچھہ دنون بعد اوسے معلوم ہوا کہ ایسا نہیں کیا گیا۔ تو تار بابو کو حکم ہوا کہ وہ تار کا فرمان ہاتھ میں لیکر قید خانے میں لیجائے اور اوس کی فوراً تعمیل کرائی جائے۔ بابو نے ایسا ہی کیا اور محافظوں نے فوراً قیدی کو چھوڑ دیا۔

علاقوں کو ٹھیکہ پر دینے کا انتظام لوگوں کی بہت ناراضگی کا باعث ہوتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ ناراضگی کچھہ بے بنیاد سی معلوم ہوتی ہے شکایت کا اصلی سبب یہ ہے کہ معاملے کی کوئی مقررہ مقدار نہیں ہے۔ ہر گاؤں کو اپنی قیمت کا دسواں حصہ سرکار کو دینا پڑتا ہے۔ اور وصول کرنے سے پیشتر ایک سرکاری افسر موقعہ پر جاتا ہے اور ہر ایک خاندان کی حالت کو قلمبند کر لیتا ہے۔ بعد ازں جسقدر زیادہ دینے کی لوگوں کو طاقت ہو یا دینے پر صبر کریں تو سب حکام کے ہاتھ آتا ہے۔ کسان لوگ بہت امن پسند۔ کفائیت شعار و اطاعت پذیر ہوتے ہیں

مگر ایک حد ایسی ہے جس سے زیادہ وہ دبائے نہیں جا سکتے۔ اگر زیادہ کوشش کیجائے تو وہ دبانے والے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ اب اونکو معلوم ہو گیا ہے کہ اپنی تکالیف کے اظہار کی طاقت اون کے واسطے ایک مضبوط آڑ ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ مقامی کمیٹی محاصل سرکاری عشر کو دگنا کر کے وصول کرتی ہے اور تمام نصف صوبیدار اور دیگر مقامی حکام کے پاس رہتا ہے۔ لیکن یہ سبب گاؤں کی آمدنی کا ایک خمس بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ جمع کی عام جانچ تمام ملک کے کاشتکاروں کی ترقی سے پیشتر کیگئی تھی ان دنوں پیداوار کی بہت کم مانگ تھی جو کہ آجکل باہر بھیجی جاتی ہے اور سونے کے بدلے میں فروخت کیجاتی ہے۔ اسلئے ملک کے موجودہ چاندی کے سکوں میں بہت سی قیمت ملتی ہے علاوہ صوبوں کے لگان کے اور مقامی مطالبات ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے میزان کل میں دو یا تین فیصدی اضافہ ہو جاتا ہے پیشتر بے امنی اور بے اعتباری کی وجہ سے کاشتکاری اور گلہ بانی بہت کم کیجاتی تھی۔ مگر اب یہ صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کو اسبات کا علم ہے کہ وہ اپنی محنت کے پھل سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اسلئے وہ اپنی محنت کے دائرے کو وسیع کئے جاتے ہیں مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسان اور مزدوری پیشہ لوگ ایران میں اچھی حالت میں ہیں اور دوسرے ملکوں کے اپنے ہم پیشہ لوگوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ایران کے سفر کے زمانہ میں مجھے دیہات میں بہت اچھے مسافر خانے ملے۔ باہر کی ذلیل حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ مکانوں کے اندر بہت خراب جگہ ہو گی۔ مگر اصلی حالت کو دیکھکر دل بہت خوش ہوتا ہے مکان سادہ ہوتے ہیں۔ مگر نہایت عمدہ طرح سے فرش کئے ہوتے ہیں دیواروں کے ساتھ چٹائی یا نمدے کے ٹکڑے بیٹھنے والوں کی پشت کے واسطے ہوتے ہیں۔ جب میں شاہراہ سے باہر سفر کرتا تھا تو ہمیشہ دیہاتی مسافر خانوں کو تلاش کرتا تھا اور جاڑے کے موسم میں یہ نہایت ہی آرام دہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اون میں کھلے چولہے ہوتے ہیں جو بغیر دھواں دینے کے کمروں کو گرم رکھتے ہیں اسطرح

مجھے لوگوں کی روزانہ زندگی کا موازنہ کرنیکا موقعہ ملجاتا تھا۔ اور میں یہ دیکھکر
بہت متعجب ہوا کہ اون کے اوضاع و اطوار پرانی شایستگی کے ملائم سانچے
میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ مجھے یہاں مشرقی جوتوں کا اصل اصول معلوم کرنیکا بھی
موقعہ ملگیا جسکی بابت ایران اور ہند میں اکثر مباحثے ہوئے۔ میرا مطلب مکان
میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اوتارنے کی رسم سے ہے۔ ہندوستان
میں اسے ماتحتی کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جب سرکار انگریزی کی حکومت
ہوئی ہے کسی یورپی نے اس رسم سے اتفاق نہیں کیا سوائے اون لوگوں
کے جنہوں نے ہندوستانی راجاؤں کی نوکری اختیار کی ہو مجھے اس کی
ایک مثال یاد ہے۔ ایکدفعہ ایک ہائیلینڈ کے ایک رجمنٹ کے ایک بین بجانی
والے سارجنٹ سے ایک پنجابی سکھ سردار کے ہاں ایک بینڈ کو بین باجا سکھانے
کے لئے نوکر ہوا۔ چونکہ سردار نے ہائیلینڈ کے باجے کو پسند کر لیا تھا۔ دستاویز
میں جسمیں سارجنٹ کے فرائض۔ تنخواہ بھتہ وغیرہ کی مفصل فہرست تھی
سارجنٹ نے یہ بھی لکھوایا کہ کسی یورپی کے سامنے رکھنے کے کمرے میں مجھے
جوتا اوتارنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسکی اصل یہ ہے کہ فرش خراب نہو جسپر گھر والے
بیٹھتے کھانا کھاتے اور سوتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ پہلے زمانہ میں چمڑے اور چٹائی کے فرش بچھائے
جاتے تھے۔ مگر جوں جوں وسط ایشیا میں دستکاریاں بڑھتی گئیں اور روئی
کا کام شروع ہوگیا تو خانہ بدوش لوگوں نے جنکی عورتوں اور بچوں کو
کاشتکاری کا کوئی کام نہیں آتا تھا رنگین دریوں کے نمونے نکالے جنمیں
سے بعض آجتک بعض خاندانوں میں بطور اسرار اور جائداد کے جنکی نسبت
بہت حفاظت کیجاتی ہے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ دریاں۔ تب اون کی
تصویریں بن گئیں جنکو نمدے کے چوکھوٹوں میں رکھا جاتا تھا۔ جنپر
لوگ بیٹھتے سوتے اور کام کرتے تھے کھانا کھاتے وقت مرکز میں ایک
کپڑا بچھایا جاتا ہے۔ جسپر برتن رکھے جاتے ہیں اور میرے خیال میں دری

ایسی سمجھی جاتی ہے جیسے پرانے زمانے میں یورپ میں ایک نہائت عمدہ پالش شدہ میز سمجھا جاتا تھا۔ جسکہ کھانے کے بعد کپڑا اوڑھا کر ایک کونے میں رکھ لیا جاتا تھا۔ اور موقعوں پر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ خوبصورت دریاں اون کی تصویریں ہیں فرش پر جیسے ہماری دیواروں پر ہوتی ہیں۔ اُن پرانی دریوں میں سے بعض ایسی خوبصورت ہوتی ہیں کہ یورپی لوگوں نے انہیں دیوار پر لٹکا رکھا ہے اس خیال سے کہ یہ ایسی اعلیٰ ہیں کہ پاؤں کے نیچے نہیں آنی چاہئیں۔ دیہاتی مکانوں میں کسان لوگ ہمیشہ اپنے جوتے اندر کے دروازے میں اوتار دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی فرنگی کے بوٹ پہنے ہوتا ہے تو وہ جوتا اوتارنے کی شرط کو چٹائی یا نمدے کے کنارے پر دو زانو بیٹھکر پورا کرتا ہے۔ تاکہ بوٹ کے تلوے سے فرش خراب نہو۔ اس میں ذلت وا غلطی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ معاشرت میں سب برابر ہیں۔ اسباب سے صرف اخلاق اور دوستانہ خیالات ظاہر ہوتے ہیں جیسے مغرب میں ٹوپی اوتارنے سے ظاہر ہوتا ہے مغربی سفیروں کو ایرانی دربار میں لانے کے وقت اون کے بوٹ اوتروا کر سلیپر پہنوا دیئے جاتے ہیں یا وہ بوٹوں کے اوپر سے باندھ دیئے جاتے تھے۔ مگر یہ نائبان اقوام کے شان کے خلاف سمجھا جاتا تھا بعض وقت اسپر بہت اصرار کیا جاتا تھا اور بہت جھگڑے ہوئے تھے اثبات کے یقین کرنے کی کافی وجہہ ہے کہ ہر ایک سفیر کے واسطے یہ دستور رنجش اور شکائیت کا کافی سبب تھا۔ جب سنہ ۱۵۶۱ع میں مسٹر جنکنسن ملکہ الزبتھ کیطرف سے سفیر ہو کر ایرانی بادشاہ کے دربار میں آیا اس جوتے کے مسئلے نے بہت نازک شکل اختیار کی۔ اور جب شاہ کے سلیپروں کا جوڑا لایا گیا جسکو پہنکر اسے ملاقات کرنے کو کہا گیا۔ تو کہا جاتا ہے کہ شاہ کی اس عنائیت کو اُس نے ہتک سمجھا۔ ملاقات بغیر سلیپروں کے ہوئی اور یہ دوستانہ ملاقات نہیں تھی۔

لیکن ایران کے دربار میں علاوہ جوتوں کی تکلیف کے ایک اور جھگڑا تھا مغربی کپڑے چست پاجامے اور موزے مشرق میں ناشائستہ سمجھے جاتے تھے۔ و

خیال کیا جاتا ہے کہ اوپر سے رومی شلوار پہنائی جاتی تھی۔ تاکہ شاہی ملاقات کے وقت ٹانگیں چھپی رہیں۔ اس مشرقی خیال کے متعلق ایک واقعہ سر ڈگلس فارسٹھ کے سفارتی مشن کو پیش آیا جو کہ ۱۸۷۳ء میں امیر کاشغر کی طرف گیا تھا اور یہہ واقعہ یہاں بیان کرنے کے قابل ہے۔ مشن کا کیمپ سارجنٹ مسٹر رہنڈ سارجنٹ نمبر ۹۲ ہائیلنڈرز تھا۔ جب سفارت اور علو کا یارقند میں وہاں کے صوبیدار نے استقبال کیا جو کہ سلطنت میں حکومت کے لحاظ سے دوسرے درجہ پر تھا تو یہ خیال کیا گیا کہ چونکہ اوس کو اخلاق او تکلفات کا بہت خیال ہے اسلئے ہمارے اقلاق شباہت اور عام چال و چلن کی بابت اوس کی رپورٹ پر بہت کچھ انحصار ہوگا۔ اس صوبہ دار کا بہت چھوٹا سا دربار ہوتا تھا۔ ہم نے اوس کی لباس کی نمائش کی طور پر ملاقات کی۔ سارجنٹ رہنڈ کلب کی وردی میں حاضر ہوا۔ اور اس کے چہرے سے شرم و حیا ظاہر ہوتا تھا۔ صوبیدار محمد یونس بہت سخت خیال کا آدمی تھا ظاہرا معلوم ہوتا تھا کہ اوس نے ہائلنڈر ہی کیطرف نہیں دیکھا کیونکہ وہ ہمارے پیچھے کھڑا تھا۔ مگر ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے جانے کے بعد اوس نے کہا کہ اوسکا لباس نامکمل معلوم ہوتا تھا۔ چند ہفتے بعد ہم کاشغر پہنچکر جو کہ شمال میں دارالخلافہ ہے بادشاہ کے سامنے جانے کی تیاریاں کرتے رہے تھے۔ تو مشہور اتالیق غازی جو کہ درباری رسومات کا اوستاد تھی مقررہ وقت سے پہلے یکایک آپہنچا اور بڑی حکومت سے کہا کہ سارجنٹ اگر ہمارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو اچھی طرح لباس پہن لے۔ یہ کرتی ننگے گھٹنوں کے ساتھ قابل اعتراض ہے۔ اور اتالیق کے دربار میں اس کی برداشت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ایک قوم گال کا سا لمبا چوغہ اور پہنا پڑا ایرانی عورتوں کا لباس جو کہ وہ گھر پر پہنتی ہیں ہماری ہائیلنڈ کی کرتی سے ملتا جلتا ہے۔

آخرکار جوتوں کے مسئلہ کا فیصلہ ۱۸۲۸ء کے عہدنامہ ترکمانچی سے ہوا جس کو سب اجنبی سفیروں نے قبول کر لیا۔ اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ

تاتا دے جو تو نیز باندہ دیئے جائیں۔ مگر شاہ کے سامنے جانے سے پیشتر کہولدیئے جایا کریں اور اب یہی ہوتا ہے۔ ڈریگو مینوں کی قوم ترکوں اور ایرانیوں کی نسبت پرانے خیالات کے زیادہ پابند ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے درباری اور مجلسی تمام رسوم کا اجارہ لے رکھا ہے تاکہ انکی بڑائی برقرار رہے۔ ایرانی زمانے کے ساتھ چلتے ہیں اور مغربی طریق آداب کو سمجھتے ہیں۔ تاہم مینے وہاں کے ایک اعلی درجہ کے آدمی سے سُنا کہ ٹوپی اوٹھا کر شاہ کو سلام کرنا۔ یہ مسلمانوں کو بُرا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مناسب سمجھتے ہیں کہ مجلس میں سر ڈھکا رہے چنانچہ مینے ایکدفعہ چند یورپی شریفوں کو دیکھا کہ وہ شاہ کے ایک وزیر کے ملاقات کے کمرے میں ٹوپی پہنے رہے لیکن جب اوس نے دیکھا کہ دوسرے جو ایرانی خیالات سے خوب واقف ہیں ٹوپیاں ہاتھہ میں لئے ہوئے ہیں تو اونہوں نے بھی اوتارلیں اون کا رہنما ایک ڈیگو ارج تہا۔ فریزر اپنی کتاب (پرشیا۔ یعنے فارسی) میں لکھتا ہے کہ جب شاہ عباس اعظم نے جیمس اوّل کے سفیر ڈاد مور کاٹن کو اپنے سامنے بلوایا تو اس نے اپنے مہمانوں کو خوش کرنے کے لیئے انگلستان کے شاہ کا جام صحت پیا۔ شہنشاہ کا نام سُنکر سفیر اوٹھا اور اپنی ٹوپی اوتارلی۔ عباس ہنس پڑا اور عزت کے طور پر اپنی پگڑی اوتہادی۔

اجارے کا طریقہ جوکہ ایران میں محصولات کے بارے میں برتا جاتا ہے گورنمنٹ کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔ اگر براہ راست انتظام خود گورنمنٹ کرے جیسا کہ محکمہ تار میں ہے تو بہت اچھا نتیجہ ہوگا۔ موجودہ کوتہ اندیشی کے انتظام میں ٹھیکہ داروں کا نفع اس بات میں ہے کہ اصلی خبر کو چھپائیں اور غلط نقشے شائع کریں۔ تاکہ سالانہ بولی کم رہے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے ہیچ خودبخود ظاہر ہو رہا ہے کہ ایران میں تجارت بڑہتی جاتی ہے اب طہران میں معلوم ہوتا ہے کہ عملی طور سے مشورہ دیا جارہا ہے کہ ایران میں ایک اچھی کمیٹی محصول کی بنائی جائے تاکہ باقاعدہ نوکری ایک اعلی حاکم کے ماتحت محفوظ رہے اور محاصل میں بھی ترقی ہو۔ یہ کہا جا سکتا ہے

کہ تمام سوداگر اجارے کے انتظام سے فایدہ اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی چیزیں ایک خاص رقم دیکر بجیک کو معمولی طور پر معائنہ کروا کے گذار سکتے ہیں۔ اس طریقہ سے وہ مقررہ قیمت سے کم میں حوالے لے لیتے ہیں جب حال میں یہ افواہ ہوئی کہ کوئی اجنبی سلطنت محصول کا اجارہ لینے والی ہے تو روسی اور ارمنی سوداگروں نے جو کہ شمال میں تجارت کرتے تھے۔ صاف صاف کہدیا کہ ہم بندرگاہ کے افسروں کے ساتھہ اسباب کا انتظام کر لیا کرتے ہیں کہ مقررہ پانچ فیصدی محصول سے کم دیکر درآمد برآمد گذار لیجایا کرتے ہیں اور اسباب کا دعوے کیا کہ چونکہ بڑی مدت کا ہمارا دستور چلا آیا ہے اسلئے ہمارا حق ہے اونہوں نے بیان کیا کہ چونکہ ہماری تجارت اس بنا پر قایم ہو چکی ہے اسلئے ہم نہیں چاہتے کہ کوئی تبدیلی ہو اسمیں کوئی شک نہیں کہ جنوب میں اور تمام سرحد پر یہی دستور جاری ہے۔

چونکہ اجاروں کے بہت سے حصے ہیں۔ اسلئے مقابلہ ہونے سے شرح کم ہو جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوداگر گراں راستے چھوڑ کر سستے راستے جاتے ہیں۔ میں نے ایک سوداگر کی بابت سُنا ہے جسکی خط و کتابت جنوبی حصے سے تھی کہ اوس نے کسی شمال کے ٹھیکہ دار سے اوس کی شرائط طلب کیں تاکہ اودہر سے اپنا مال بھیجنے میں اوسے فائدہ ہو۔ ممنوع چیزوں کی حالت میں اجارے کا انتظام ان چیزوں کے گذر جانے کی اجازت دیتا ہے جن کو گورنمنٹ منع کرتی ہے۔ کیونکہ ٹھیکہ دار اور ان کے آدمی اپنی میعاد میں جہانتک ہو سکے زیادہ روپیہ کمانا چاہتے ہیں۔ ایران جیسے ملک میں جہاں ہتھیار و نیز اس واسطے فخر کیا جاتا ہے کہ اون کے استعمال کی عادت رہے۔ بریچ لوڈ بندوق کی بہت مانگ رہتی ہے گورنمنٹ کو اوس کے روکنے کا خیال ہے۔ اور اکثر ممنوع چیزیں سوداگری کے مال میں ملی ہوئی پکڑی جاتی ہیں جس ملک میں خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش قومیں آباد ہوں جنکو جنگ اور لوٹ مار کی عادت ہو اور ہر فرد اپنی آمدنی میں سے تھوڑا تھوڑا کر کے بریچ لوڈ اور کارتوس خریدنے کے واسطے بچا تا رہتا ہو۔ وہاں کی گورنمنٹ کی بھلائی اس

بات میں ہے کہ اجنبی ہتھیاروں کی تجارت کو بہت سختی سے روکے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ جبتک محصولات کا موجودہ انتظام ہے یہ مانگ پوری ہوتی رہے گی۔ ہنری مارٹین کی رفل بہت پسند کیجاتی ہے۔ اور اس قسم کی بندوقیں خانہ بدوش اور دیہاتیوں کے پاس ہزاروں ہیں پہلے پہل یہ رفل روس اور روم کے جنگ میں اس ملک میں پہنچی تھیں اوس وقت یہ ٹرکی فوج میں تھیں اور ہزاروں کی تعداد میں یہ روسی سپاہیوں کے ہاتھ آئیں جنہوں نے انہیں ایرانی پھیری والوں کے ہاتھ بیچا جن کو فوج کے ساتھ جانے کی اجازت تھی۔ ایرانیوں نے اسوقت اپنی معمولی ہمت اور دلیری ظاہر کی۔ کیونکہ وہ روس کی اوس فوج کے ہمراہ گئے جو میدان کارزار میں مشغول تھی۔ اور لوٹی ہوئی بندوقیں جو کہ اونہوں نے روسی سپاہیوں سے خریدی تھیں سرحد کے پار ایران میں بھیجدیں اور وہاں سے بہت سی قیمت حاصل کی۔ نئی بندوقوں کے رواج پر ایک نہایت پر نفع تجارت کارتوسوں کی جاری ہو گئی۔ جنوب مغربی سرحد پر لوگوں کی پیٹیاں اور ترکش بھرے ہوئے دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ اب یہ کام اچھی طرح سے چلا ہوا ہے۔ جب وقت گذرتا گیا۔ اور تجارت ہوتی رہی تو یہ رفل جنوب میں بختیاری اور عرب میں بھی جا پہنچی۔ اس کی ہر دلعزیزی کی وجہ سے ہنری مارٹین کی تجارت خلیج فارس کی راہ ہونے لگی۔ یہانتک کہ اب ایران میں مارٹین کہلاتی ہے۔ عام لوگ اس کو بہت پسند کرتے ہیں۔ ریمنگٹن بندوق کے قابض اور چاہنے والے قارون غرب فرقے میں بہت ہیں۔ جو بغداد کی راہ ترکی کے ذریعہ سے پہنچی۔ بریچ لوڈر کے بارود وغیرہ کی بہت تجارت ہو رہی ہے اور اوس کو حاصل کرنے کی اسقدر خواہش ہے کہ ٹھوس کارتوس کی اب بہت مانگ ہے۔ جو کہ بار بار استعمال ہو سکتے ہیں۔

کاسوین میں ہم ہند یورپی (انڈو یوروپین) تار کو نہایت عمدہ طور پر آراستہ دیکھکر بہت خوش ہوئے جو کہ شمال سے آتا ہے اور طہران سے ہوتا ہوا ہندوستان کو جاتا ہے۔ یہ تار جو لوہے کے لمبے لمبے ستونوں پر رکھا ہے اور نہایت عجب

ملک پر پہیلا ہوا ہے۔ موجودہ شاہ کی مضبوطی سے جمی ہوئی حکومت کی شہادت دیتا ہے۔ اس لائین کو بنانے کے وقت بہت سے اوہام پیدا ہوئے تہے کہ لوگوں کی شرارتوں کی وجہہ سے بہت دیر تک اٹکاؤ رہیگا۔ اور شروع میں زمین کے کہودنے میں جو ناکامی ہوئی اوس نے انگلستان کے سوداگروں کو بیقرار کر دیا۔ یہانتک کہ کچھہ پیام کا سلسلہ جاری رکہنے کے واسطے بحیرہ قلزم میں بحری تار ڈالا گیا۔ نئی خشکی تار کی لائین بنائی گئی جو کہ بحری تار کے برابر کام کر سکتی تہیں اور ایرانی گورمنٹ باوجود تمام نقصانوں کے جو اوس کو وقتاً فوقتاً اوٹہانے پڑے ثابت قدم رہی اسلیئے چند مقامی اغراض کی وجہہ سے اوس کو پوری پوری حفاظت ہوگئی۔ اب اس لائین سے تار کا جانا بہی ایسا ہی تیز اور یقینی ہے۔ جیسے بحری تار کے ذریعہ سے۔ میرے خیال میں اوسط رفتار خبروں کی لنڈن اور کلکتہ کے درمیان طہران کے راستہ سے سویز کے راستہ کی بنسبت زیادہ ہے۔ پچھلے سال ڈربے کے گہوڑ دوڑ کے نتیجے کی خبر ہند میں پہنچانے کے بارے میں کمپنیوں میں ایک نہائت دلچسپ دوڑ ہوئی جسمیں ایک طرح سے بحری تار جیت گیا پیغام ایک ہی وقت میں انکیسیم دا ایسیم سے بہیجے گئے جو طہران کی راہ گیا تہا وہ پانچ منٹ پہلے پہنچا۔ لیکن چونکہ صرف جیتنے والے گہوڑے کا نام ٹہیک طور پر دیا گیا تہا اور دوسرے اور تیسرے گہوڑے کے نام کراچی سے پوچہنے پڑے جو کہ سو میل کے فاصلہ پر ہے بحری تار نے تینوں نام ٹہیک دیئے اگر خبر پہنچانے کی جگہ کراچی رکہا جاتی تو اس تار کی دوڑ میں ہند و یورپ کی لائین بحری لائین سے جیت جاتی

باب (۳)

جب ہم کاسوبن میں سے گذرے تو انگور کی فصل اکٹھی ہو رہی تھی۔ یہ جگہ اپنے وسیع انگور کی کھاریاں اور باغوں کے لئے بہت مشہور ہے یہاں کے سنہری انگور بہت مشہور ہیں۔ سفید انگور بھی یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کی شراب بنانے کے لئے بہت مانگ ہوتی ہے جو اس شہر میں بنائی جاتی ہے۔ اگرچہ ملاؤں کی تعداد بہت ہے۔ بہت انگور شراب بنانے کے لئے طہران میں بھی بھیجے جاتے ہیں۔ ایران تیز شراب کی پرانی شہرت کو ویسے ہی قائم رکھے ہوئے ہے جیسے کہ چھ سو برس مسیح سے قبل تھی جبکو سہیل کے حملہ آوروں نے اسفدر شوق سے پیا کہ سہتیا والوں کی طرح بیمانہ مثل مشہور ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ بیوقوف شراب کے پیالے سپاہی بار بار شراب کے مشکیزے مانگتے تھے۔ اور ہر بار یہی کہتے تھے کہ پچھلا بہت اچھا تھا۔ اٹھارہ صدی کے بعد حافظ جو کہ ایک خوشمزاج شاعر تھا۔ شیراز کے شراب کی تعریف باواز بلند گاتا تھا جو آجتک ایران میں بہت مشہور ہے یہ شہرت اوسوقت بہت تھی جبکہ سائرس سے پہلے غالبًا جمشید کی مجلسوں میں استعمال کیجاتی تھی جسنے برسیپولس ما کی بنا ڈالی تھی۔ شاعر عمر خیام اوس جگہ کی تباہ شدہ شان سے نتیجہ نکالتے ہوئے کہتا ہے "کہتے ہیں جہاں جمشید جلسے کیا کرتا تھا اور شراب پیا کرتا تھا وہاں اب شیر اور گرگٹ حکمرانی کرتے ہیں۔"

فردوسی جو کہ ایران کا تاریخی شاعر ہے لکھتا ہے کہ جب جمشید کو اپنے سلطنت کے فرائض سے فرصت ملی اور علم طبیعات کے مسائل میں منہمک تھا اوسوقت اوس نے شراب دریافت کی تھی۔ اور بہت سے مفید کام

اوس کیطرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنوں کا نظام شمسی بھی اوس نے نکالا تہا اور حکم دیا کہ پہلے دن جبتک سورج برج ارلیض میں داخل ہو خوشی منائی جایا کرے اوس کو نوروز یا نئے سال کا دن کہتے ہیں اور ابتک ایران میں اسروز بہت خوشی منائی جاتی ہے اس پہلے زمانے کے عجیب غریب تیوہار نے جو کہ ایک اور ہی مذہب اور نظام کے وقت میں قایم کیا گیا تہا۔ اسلام کے رواج پر فتح حاصل کرلی ہے اور آج کل بھی ویسی خوشی اور سرور کے ساتھہ منایا جاتا ہے جیسے ایران کے قدیم باشندے مناتے تہے۔

ملا اکبر کے نوشتوں کے مطابق جنکو میلکم نے اپنی تواریخ ایران میں نقل کیا ہے جمشید کو انگوروں کا بہت شوق تہا۔ اوس نے ایکدفعہ کچھہ انگور ایک برتن میں ڈلوا کر ایک محراب میں رکھوا دئیے جب برتن کہولا گیا تو وہ کہٹے ہوئے نکلے اور اونکا رس اسقدر کہٹا تہا کہ بادشاہ کو خیال ہوا کہ زہریلا ہوگیا۔ اوس کے کمرے میں کچھہ اور بھی برتن تہے جنمیں رس پڑا ہوا تہا اور اوپر زہر لکہا ہوا تہا۔ اتفاقاً اوس کی بیوی کو سخت درد سر کا مرض ہوگیا۔ اور اوس کی شدت کی وجہہ سے وہ موت کی خواہاں تہی ایک برتن پر زہر لکہا ہوا دیکھکر وہ اوٹہا کر پی گئی تو شراب نے جو کہ رس سے بنگئی تہی اوسکو بیہوش کردیا اور جب اوس کو ہوش آیا تو آگے کی نسبت آرام تہا اس علاج سے خوش ہوکر اوس نے اتنی دفعہ پیا کہ بادشاہ کا تمام زہر ختم ہوگیا۔ اوسکو جلدی معلوم ہوگیا اور بیگم کو اس کے اقرار کرنے پر مجبور کیا۔ کچھہ شراب تیار کیگئی اور بادشاہ کے تمام درباریوں نے پی۔ جو معلوم ہونے کے دن سے آجتک ایران میں زہر خوش کے نام سے مشہور ہے بعد ازاں شراب بنانا ایک باقاعدہ دستکاری ہوگئی اور شیراز سے جہاں یہ پیدا ہوئی تہی تمام ملکوں میں پہیل گئی۔ آجتک شراب بنانے کا طریقہ وہی ہے جو پرانے زمانہ میں تہا یعنے انگوروں کا رس علی ہذا کے مرتبانوں میں جمع کیا جاتا ہے اور زمین میں دبا دیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ اسکندر اعظم نے بھی

اپنے مقدم کی طرح پرسی پولس کے دالانوں میں دل کھولکر شراب پی خیال کیا جاتا ہے کہ شراب کی حالت میں اس نے وہاں کے شاندار محلوں کو آگ لگوادی۔

ایک بیگم کے شراب کو دریافت کرنے کی حکایت کے تتمے کے طور پر ایک اور بیگم کا قصہ بیان کیا جاتا ہے جسنے ایک بادشاہ سے شراب کی خرید و فروخت کی ممانعت کے حکم کو منسوخ کروایا۔ جب شاہ حسین ۱۶۹۴ء میں تخت پر بیٹھا تو اس نے اپنے مذہبی جوش میں آکر حکم دیا کہ شراب کی فروخت قطعی بند کردیجاوے اور شاہی ذخیرے کی سب شراب گرادیجائے۔ لیکن اوس کی دادی نے بیماری کا بہانہ کرکے جسکا علاج شراب کے اور کچھ نہ تھا نہ صرف اوس کے حکم کو منسوخ کرادیا۔ بلکہ اوس سے کہا کہ تھوڑی سی شراب میری خاطر پی لو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مولوی صاحبان کے اثر سے باہر ہو گیا اور ایک میخوار بن گیا۔ بدقسمتی سے اوس دادی کی رہنمائی سے شاہ حسین شراب اور عورتوں کی وجہہ سے تباہی میں پڑ گیا اور یہاں تک ذلیل و خوار ہوا کہ اوس نے اپنے ملک کو بےرحم افغانوں کے حوالے کردیا۔

ایران میں لکڑی کی بہت قلت ہے اور چوب۔ سنتیں اور چھڑیاں سیدھی اور صاف نہیں ملتیں اسلئے انگور کی کاشت گہری کھائیوں میں ہوتی ہے۔ جن کے پہلو بہت اونچے اور ڈھلوان ہوتے ہیں جن کے ساتھ ساتھ اور اوپر کو تنے اور ٹہنیاں پھیلتی رہتی ہیں کھائیاں اس طریقے سے بنائی جاتی ہیں کناروں اور ڈھلوانوں پر بہت اچھی طرح دھوپ پڑ سکتی ہے یہ طریقہ میدانوں میں برتا جاتا ہے۔ مگر پہاڑی زمین میں بہت ہوشیاری سے کاٹ چھانٹ کیجاتی ہے اور اوپر تلے پتھر رکھکر سہارا دیا جاتا ہے یہانتک ایک کافی مضبوط تنہ تیار ہو جاتا ہے جس کے سرے پر گچھا سا ہوتا ہے اور شاخیں ہوتی ہیں۔ پرسی پولس کے شمال و مغرب میں امام زادہ اسمعیل کے ایک گاؤں میں میں ایک نہایت عمدہ انگور کی کھیتی کو دیکھکر بہت موثر ہوا۔ تقریبًا گاؤں کی تمام زمین میں انگور کے کھیت بنے ہوئے تھے جنکی

دیواریں نہایت عمدہ اور خوبصورت تھیں انگوروں سے معلوم ہوتا تھا کہ انگور ایسے لوگوں نے کاشت کیا ہے جو انگور کی کاشت کے اصولوں سے خوب واقف ہیں۔ اور وہ وہاں کی ہلکی زمین میں خوب پھیلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اُس زمین کے صاف کرنے میں جو قدرتاً پتھریلی تھی حیرت انگیز چستی سے کام کیا گیا تھا۔ باغوں کی سی دیواریں بنانے سے یہ صاف ظاہر تھا کہ بڑے صبر سے محنت کیگئی تھی۔ گاؤں کی تمام ہموار زمین انگور کے کھیتوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور وہ ڈھلوانوں پر پھیلے ہوئے تھے پہاڑیوں کے پہلو انگور کی زیادہ کاشت کے واسطے صاف کیئے جا رہے تھے۔ وہاں بہت سے انگور سکھائے جاتے ہیں میرے کشکئی رہبر نے جسکو مینے شاہراہ سے بہت دور ہونے کی وجہ سے ساتھ لیا تھا مجھ سے کہا کہ تازہ انگور شراب بنانے کے کام آتے ہیں۔ مگر اس گاؤں میں نہیں چونکہ سربر آوردہ باشندے جو کہ شیخ ہیں اور امام زادہ صاحب کے مقبرہ کے متولی ہیں جو اسی گاؤں میں واقع ہے اسلیئے یہاں انگوروں کی ممنوع منشی شئے بنانے کی ممانعت ہے۔ گاؤں کی زمین مقبرے کے نام سے وقف ہے اور لگان معاف ہے۔ اُس تمام زمین میں انگور کی کاشت ہوتی ہے۔ شیراز میں انگور کے کھیت بہت وسیع ہو گئے ہیں اور خولار کے انگور بونے کا خاص طور پر اہتمام کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ شراب کے واسطے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ اس انگور کا نام ایک گاؤں خولار کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے جو قصبے سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ ایران میں سب سے اچھا انگور تبریز۔ اصفہان اور شیراز میں پیدا ہوتا ہے۔ ان سب جگہوں میں سرخ سفید دو قسم بنائے جاتے ہیں۔ ہمدان کے سفید انگور سے تیز ساٹرن کی سی شراب بنتی ہے۔ اور اُن میں سے بعض میں میٹھی سی خوشبو ہوتی ہے اصفہان کے انگور پورٹ کے سے ہوتے ہیں۔ سب سے اچھے شیراز کے انگور مڈیرا کے نئے انگوروں کے سے ہوتے ہیں۔ یہ سب شرابیں تیزی میں اسٹریا کی شرابوں سے ملتی جلتی ہیں۔ بنانے کے طریقے میں کچھ فرق ہے جسکی وجہ سے شراب میں ترشی

نہیں ہوتی - اور باہر نہیں لیجایا جاسکتا روسی سڑک تیار ہوجانے پر کاسوین
کے پہلدار انگوروں کا بہت بڑا قطعہ ترقی کرجائے گا - اور بحیرہ خضر کے
کنارے پر در بند میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اوس سے ایسی مہم کاسوین
کی اختیار کرنے کی بھی دلیری ہوگی ؛

چونکہ غیر مسلموں کو شراب بنانے کی قانون اور رواج دونوں ممانعت نہیں
کرتے اسلئے انگور کی کاشت بڑھتی جاتی ہے اور شراب زیادہ زیادہ بمقدار
میں تیار ہوتی جاتی ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چونکہ ایران سے باہر
بہت کم شراب جاتی ہے اسلئے غیر مسلم یہ سب کی سب ختم نہیں کرسکتے حقیقت
یہ ہے کہ قانون جسکی رو سے مسلمانوں کو شرابخواری کی ممانعت ہے زور
سے نافذ نہیں ہے - البتہ وہ سب کے سب اس سے بچے ہوئے نہیں ہیں
اور خوشگوار زہر جیسا کہ ملا اکبر نے اس کو لکھا ہے تمام حالتوں بیماریوں اور
شکایتوں کے لئے خواہ وہ بیٹھوں کی ہوں خیالی یا حقیقی ہوں ایک نہایت
آسان علاج خیال کیا جاتا ہے - اون کی بابت مشہور ہے کہ جب کبھی وہ ایکدفعہ
مذہبی قانون توڑتے ہیں تو خوب اچھی طرح پیتے ہیں - کیونکہ اونمیں ایک مثل
ہے کہ ایک گلاس میں اتنا ہی گناہ ہے جتنا ایک مٹکے میں - ایران کے لوگ کبھی
اپنے سیمیٹک فاتحین کے موافق نہیں چلے - وہ اسلام کے ظاہرا اعمال کی بہت
عزت کرتے ہیں - بڑی نیک نیتی سے پرہیزگاری کے اعمال کرتے ہیں مذہب
اور سخاوت کے کام بہت اچھی طرح سے کرتے ہیں - لیکن وہ ہمیشہ آزاد فلسفیانہ
صوفیوں کے اوہام اور خیالات میں منہمک رہے ہیں جو سخت اور خشک زندگی
کے احکام کی پابندی نہ کرنیکی وجہہ سے مشہور ہیں ؛

جب ہم ماہ ستمبر میں کاسوین کے میدانوں میں سے طہران کو گئے تو موسم
بہت عمدہ تھا - شروع جاڑے کا موسم فارس کے شمال میں نہایت عمدہ موسم
ہوتا ہے - تقریبًا موسم بہار کا سا - اور در اصل اوسی کہتے بھی دوسرا موسم بہار ہیں
ان دنوں منظر اگرچہ سبزی سے بالکل خالی ہوتا ہے - مگر اوس میں ایک خاص
قسم کی خوبصورتی ہوتی ہے - ہلکے ہلکے رنگوں کی وجہہ سے اور پہاڑیوں پر کرہ ہو

کا خاص اثر ہونے کی وجہہ صبح اور شام میں حیرت انگیز نزاکت ہوتی ہے طہران
کے قریب کے منظر میں سب سے زیادہ ظاہر ہونیوالی چیز گاؤدم پہاڑی مونٹ
ڈیمیونڈ تقریباً چالیس میل شمال و مشرق میں واقع ہے جو کہ سمندر کی سطح سے
۱۹۴۰۰ فیٹ اونچی ہے۔ یہ [illegible] سرد اور صاف نیلے آسمان کے نیچے
کھڑی تھی۔ اوس کی سفید شکل جیسے نیچے گری ہوئی برف کی ایک تہ جمی ہوئی
تھی۔ بہت بھلی معلوم ہوتی تھی اور چونکہ اوسوقت کوہ پر وہ بادل کا نشان تک
نہیں تھا جو ہمیشہ چھایا رہتا ہے اسلئے بہت ہی صاف نظر آتی تھی۔ شام کے
وقت یہ برفیلی چوٹی بہت عمدہ معلوم ہوتی تھی۔ سورج کی روشنی کی وجہہ سے
جو اگرچہ ہماری نظر سے غائب ہو چکا تھا۔ مگر اوس پرانے آتش فشاں پر چمک رہا
تھا۔ یہ پہاڑی ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے ایک آتش فشان پہاڑ گرمی سے
سفید ہو گیا ہو۔

ڈیماوند مدت سے چپا ہوا ہے۔ لیکن سنہ ۱۸۹۱ء و سنہ ۱۸۹۲ء و سنہ ۱۸۹۵ء کے زلزلوں
سے جو استرآباد اور کوچان میں جو مشرق کیطرف آباد ہیں اور خالخال میں جو
شمال و مغرب کیطرف آباد ہیں آئے تھے ظاہر ہوتا ہے کہ اوس کے نیچے کی آگ
ابھی تک نہیں بجھی۔ آخری زلزلے کا مقام افشر کے پرانے آتش فشان طبقے
سے شمال و مشرق کیطرف سو میل کے فاصلے پر واقع ہے افشر اپنے وسیع لاوہ کے
مخروطات کے کھنڈرات کے لئے مشہور ہے جو کسی زمانہ گذشتہ میں بہت سا لاوا نیچے
بہنے سے بن گئے تھے۔ جن کو ایک طاقتور اوبال نے توڑ پھوڑ کر ٹکڑے کر کے پھینک
دیا۔ جبکہ لاوا ابلا اور ان کے پہلوؤں کو توڑا یہاں ایک تخت سلیمان ہے جو کہ
بہت پرانے زمانے کا ایک ویران قلعہ ہے جو کہ مقامی قصے کے مطابق بادشاہ
سلیمان کا شاہی محل تھا جسمیں اوس کی شہزادی بلقیس رہتی تھی۔ اوس کا
موسم سرما کا تخت بھی ایک بلند پہاڑی پر دکھایا جاتا ہے۔ ان کھنڈرات میں
ایک تیز چشمہ تیز پانی کا بہتا ہے جو کہ ایکسو ستر فیٹ گہرا ہے۔ جب سنہ ۱۸۹۲ء میں
میں نے اسے دیکھا تو اوس کی حرارت باسٹھ ۶۲ درجے پر تھی اوس کے قریب
زندان سلیمان ہے جو کہ ایک خشک چشمہ ہے اور ۳۵۰ فیٹ گہرا ہے۔ یہ ایک

لاوے کے مخروط کیطرح ۴۴۰۰ فیٹ اونچی معلوم ہوتا ہے اور میدان اوپر اٹھا ہوا بڑا شاندار معلوم ہوتا ہے۔ مرحوم سر ہنری رالنس نے بھی اس ضلع کو دیکھا ہے اور یہاں کا حال بیان کیا ہے۔ اوسکا ایک اور بیان تھیوڈور بنٹ نے بھی لکھا ہے جو معہ مسز بنٹ کے ۱۸۹۰ء میں وہاں گیا تھا۔

افشر کا آتش فشاں ضلع مدت سے پارے کے واسطے مشہور ہے جو کم و بیش بھی کبھی ملجاتا ہے۔ تقریباً آٹھ صدی کا زمانہ ہوا۔ جب عرب کے کان کنوں نے پارے کی کان کی تلاش میں مدت تک کوشش کی جو یقیناً وہاں پوشیدہ ہے اونکا وسیع کام جو انہوں نے پہاڑی کے تمام پہلو کو کھود لے نتیجاً ظاہر کرتا ہے کہ اون کے پاس بہت سے مزدور تھے۔ وہاں ابتک شنگرف کے نشانات ہیں ایرانی انجمن کان کنان نے ۱۸۹۱-۹۲ء میں اسی جگہ پر کام کرنا شروع کیا۔ لیکن بہت سے گہرے گڑھے کھودنے اور پہاڑی کے اندر کی طرف سرنگیں لگانے کے بعد اونہوں نے اپنے متقدم عربوں کی طرح جس چیز کو انہوں نے یقینی علامات سے پہاڑ کی جڑ تک معلوم کیا اوس کو پانے سے مایوس ہو کر کام چھوڑ دیا۔ شنگرف کی کانوں کی جگہ سے چند میل نیچے پرانے سونا دھونے کے کارخانے ہیں۔ اور تیس میل کے اندر ہی ایک بہت بڑے نیلے تھوتھے کی کان ہے۔

طہران شائستگی کی بہت سی باتوں سے ترقی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے اچھی قسم کے گھر نئے بن رہے ہیں۔ سڑکوں کیطرف اب زیادہ توجہ کیجاتی ہے۔ اور گاڑیوں کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے۔ وزیر اعظم کا نیا مکان جو کہ انگلستان کے سفارتخانے کے قریب ہے۔ خوبصورت باغوں میں واقعہ ہے۔ باغ چھوٹی چھوٹی جھیلوں اور چبوتروں سے مزین ہیں۔ چبوتروں پر آبشاروں کے واسطے ڈھلوان بنے ہوئے ہیں۔ قصبے کے اور باغوں کی طرح۔ ان میں بھی خوش الحان ہزار داستان آتی ہیں۔ اب تحریک کیگئی ہے کہ قصبے کے قریب کی زمین گھیر کر ایک پارک لوگوں کے واسطے بنائی جائے۔

یہ ایرانیوں جیسے شاعرانہ طبیعت کے لوگوں کے واسطے گرمیوں کے موسم میں نہایت ہی عمدہ تفریحگاہ ان کی خوشی یہ ہیکہ سبز گھاس اور پودے ہوں

اور بہتے ہوئے پانی کی ٹہنڈی ٹہنڈی آواز ہو۔ ۱۸۹۲ء کے سخت ہیضے نے
یہ ثابت کر دیا کہ اوس وقت کے بڑے حفظان صحت کے انتظام میں اصلاح
کی ضرورت تہی۔ اصلاح شروع ہو گئی ہے ہر روز بازاروں میں جھاڑو
دیجاتی ہے اور کوڑا کرکٹ اوٹہا دیا جاتا ہے۔ لیکن قصبے کے واسطے ایک
بہتر اور بڑے پانی کے ذخیرے کے انتظام کی ضرورت ہے کیونکہ شہر
اب بڑہتا جاتا ہے جن لوگوں کے پاس خرچ کرنے کو روپیہ ہے وہ روز بروز
دار الخلافہ کیطرف ہہنچے چلے آتے ہیں جو لوگ پہلے قصبوں میں گہر بنایا
کرتے تہے اب طہران میں مکانات تعمیر کرا رہے ہیں۔

اعلیٰ درجہ کے گہروں کے ساتھہ باغ ہوتے ہیں۔ اور بہت سے درخت
ہوتے ہیں۔ پانی کی مانگ بڑہتی جاتی ہے مگر ذخیرہ نہیں بڑہتا۔ سالہا سال
سے پانی کے چشموں سے جتنا ہو سکتا تہا فائدہ اوٹہایا۔ پہاڑیوں کے
اندر جتنے گہرا اونگ پانی ہونا ممکن تہا۔ اوس کو نکالکر بغیر تبخیر کے شہر تک
پہنچانے میں کوئی دقیقہ اوٹہا نہیں رکہا۔ یہ سرنگوں کے ذریعے ہوتا ہے
جنکو قناتیں کہتے ہیں یہ بڑی دانائی اور ہوشیاری سے کہودی جاتی ہیں
اور صنعت کے حیرت انگیز نمونے ہیں۔ یہ نظام تقریباً تمام ایران میں مروج ہے
زندگی اور زمین کی سرسبزی کا اسی پر انحصار ہے جنوب مشرق کے ایرانی
صحرائے میں یزد کا ریتیلا قطعہ انہیں زیر زمین نہروں کی بدولت گلاب کے
پہولوں کی طرح کہل گیا ہے۔ جنمیں سے بعض تیس تیس میل لمبی ہیں موسم
بہار ہیں میں وہیں تہا مجہے معلوم ہو گیا کہ ایران کا پانی بڑا محدود ذخیرہ ہے۔

طہران میں پانی کی بڑہتی ہوئی ضرورت نے کئی سال کی پیشتر وہ تحریک
کیطرف توجہ دلائی ہے وہ تحریک پانی پہنچانے کے ذرائع کو بڑہانے کی
بابت تہی۔ ایک تجویز یہہ تہی کہ دریائے ابرلار کے ایک معاون کی رو کو
جنوب کیطرف منتقل کر دیا جائے جو البرز پہاڑ میں سے نکلتا ہے اور بحیرہ خضر
میں جا گرتا ہے اور یہ اس طریقے سے ہو سکتا تہا کہ ایک نئی ندی کہود دی
جاوے اور پہاڑ کے دونوں سلسلوں کے درمیان کی ایک وادی سے

جسمیں وہ ندی بہتی تہی۔ ایک سرنگ لگائی جاوی۔ کام ایسا ہی اور اس سے زیادہ آسان تہا جو گذشتہ سال مدراس میں ہوا۔ جہان "پریار ندی" کی رو کو مغرب کی طرف سے مشرق کو بدل دیا تہا۔ لار ندی کی تجویز کا پورا کرنا بہت آسان ہے اور بڑی ندی پر اوسکا کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ کیونکہ اوسمیں اوس جگہ سے نیچے بہت سی ندیاں گرتی ہیں۔ جہاں سرنگ لگانے کی تجویز کیگئی تہی۔ لیکن لار وادی شاہ کی گرمیاں گزارنے کی جگہوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کی بچے دینے والی گہوڑیوں اور چہوٹے بچوں کے لئے نہایت پسندیدہ چراگاہ تہی۔ علاوہ ازیں ریوڑ چرانے والے خانہ بدوش لوگ اس وادی میں رہتے ہیں۔ اور چونکہ بادشاہ وہاں کی خیمہ کی زندگی سے محبت کرتا تہا اوسے خوف ہوا کہ کہیں سبزہ زاروں اور نشیبوں کی گہاس کو نقصان نہ پہنچے اسلئے اس تجویز کو برطرف کر دیا گیا

ایک اور تجویز یہہ تہی کہ طہران سے آٹہہ میل کے فاصلہ پر جو کوہ البرز کے نچلے حصے جو نالے بہتے ہیں اون کے نیچے پہاڑ کی تہ میں خوب مضبوط دیواریں بناکر پانی کے خزانے تیار کیئے جاویں۔ جسمیں جاڑے کے واسطے پگلی ہوئی برف کا پانی رکہا جائے۔

تمام پہاڑ سال بہر برف سے بالکل ڈہکا رہتا ہے ماہ اپریل اور مئی میں برف پگل جاتی ہے اور قیمتی پانی بہکر ایسی جگہو نپر جا پڑتا ہے جہاں اوسکی کچہہ ضرورت نہیں۔ اگر یہہ پانی جمع کیا جائے تو آئندہ گرمی کے موسم میں کام آئے۔ پہاڑیوں اور قصبے کے درمیان کا ڈہالو میدان اگر آبشاری کیجاے تو بہت زرخیز ہے۔ اسلئے اگر وہاں پانی کے خزانے بنائے جائیں تو وہ ایک عمدہ سونے کی کان ثابت ہوں گے۔

ایران کے دیہاتی انتظام کا ایک بڑا جزو پانی کا تقسیم کرنا ہے۔ وقت کے ٹہیک اندازے کے مطابق پانی کے کہولنے اور بند کرنیکا انتظام ایک شخص کرتا ہے جسے میر آب کہتے ہیں۔ اوسکا عہدہ موروثی ہوتا ہے۔ مگر عام لوگوں کی رائے کے ماتحت ہوتا ہے۔ اس کام میں روشن دماغی اور جسمانی چستی کی ضرورت ہے

جلدی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ میں جاتے ہیں اور اوسے ایسا ہی چالاک ہونا چاہیئے جیسے بازاروں میں لیمپ جلانے والا۔ اوسے وقت کا ٹھیک اندازہ کرنا پڑتا ہے اوس کا حافظہ ایسا قوی ہونا چاہیئے کہ وہ تبدیلی فروختگی وغیرہ کی تفصیل خوب اچھی طرح یاد رکھہ سکے۔ جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے یا کسی اور وجہہ سے اپنا کام ضروری چالاکی سے نہ انجام دے سکے تو وہ اپنے بیٹے سے یا کسی اور آدمی سے جسکو اوس نے گاؤں والوں کی منظوری سے اپنا متبنی کر لیا ہو مدد لیتا ہے۔ تب بڑے میاں پانی کی نہر دیکھا کرتا ہے ساتھہ معہ اپنے معاون کے جسکے کندھے پر لمبے دستے والی ایرانی کدال ہوتی ہے اور جو اوس کے حکم کی فوراً تعمیل کرنے کو تیار ہوتا ہے خرابی جہاں نظر آتا ہو اوسکو دور کر دیتا ہے۔ غالباً گاؤں کے پانی کے بارے میں بعض اوقات ایک گاؤں کی دوسرے گاؤں سے سخت لڑائی ہوتی ہے اور مثل مشہور ہے کہ ایران میں پانی اور عورتوں کی وجہہ سے سخت جھگڑے ہوتے ہیں ۔

ایک دن جون کے مہینے میں چونکہ گرمی بہت تھی ہم سورج نکلنے سے پیشتر ہی اوٹھہ بیٹھے۔ تاکہ بہت سویرے چلدیں اور میں اور میرے ہمراہی دوپہر کی گرمی سے بچ جاویں ہم سب تیسرے پہر مزے سے سو رہے تھے کہ مکان کے صحن میں چلاتے ہوئے گاؤں والوں کا ایک گروہ آگیا اونہوں نے ہم سے کہا کہ ہمارا حال سنو اور ہمارے زخموں کی گواہی دینا۔ اونہوں نے کہا کہ اس زمیندار کے ہم کسان ہیں جسکا یہ مکان ہے اسلئے آپ مہربانی کر کے مہمان کے طور پر ہمارا حال بیان کر دیجیگا۔ تاکہ انصاف ہو آبپاشی کے ایک موقع کی بابت جھگڑا ہو گیا تھا فریق مخالف چونکہ مضبوط اور تعداد میں زیادہ تھے اسلئے وہ اونپر غالب آگئے۔ اور بہت بری طرح پیٹا۔ بعض زخم ایسے تھے کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ جو ایرانی لمبے دستے والے پھاوڑوں سے لگے تھے اوس کے پاؤں رکھنے والے پہلوؤں کی وجہہ سے وہ بہت ہی خطرناک ہتیار بنگیا تھا۔ جب میں صبر سے تشخیص کر چکا اور وہ کچھہ پلستر لگا کر زخموں کو سادہ طور پر باندھہ لو گھروں کو لوٹ گئے۔ یہاں تو باتی کا قصہ ہوا۔

اب عورت کا حال سنئیے جو کہ لڑائی کا دوسرا سبب ہے یہ واقعہ میں پہلے دیکھ چکا تھا
اور بہت ہی نازک تھا یہ یزد اور شیراز کے مابین ابرکوہ کے صحرا کے کنارے پر موضع
شمس آباد میں ہوا اسرات بہر دور و دراز کا سفر کرنے کے بعد مینے وہاں قیام
کیا۔ میں فوراً گاؤں کے ایک مکان میں جا ٹہرا مالک مکان نے مجھے اپنے لڑکے
کے گولی کے زخم دکھلائے اور کہا کہ اس کے علاج واسطے کچھہ نسخے تبلائے مینے
یہ کہکر کہ میں اس میں کیا کر سکتا ہوں اوسنے پوچھا کہ کیا کوئی ہڈی تو نہیں
ٹوٹی ہے اوسنے نے کہا کہ نہیں صرف گوشت کے زخم ہیں جب لڑکا آیا
تو معلوم ہوا کہ ایک تو دو پسلیوں کے درمیان زخم تہا۔ دوسرا ٹانگ کے لحیم
حصہ میں بہت گہرا تہا۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ خاص قسم کی گولی کے نشان ہیں
مینے کہا ان کو خوب صاف رکھو اور منٹ اور لوشن کا استعمال کرو۔ اور ضروری
اغذیہ مہیا کر دیں۔ مینے دریافت کیا کہ یہ زخم کیسے لگے تہے نوجوان نے جوابدیا
کہ ہم دو بہائی ایک پن چکی پکڑ کے واسطے آٹا پسوار ہے تہے جب ابرکوہ کے
چند جوانوں نے ہم پر حملہ کیا اون کے اور ہمارے خاندان میں مدت سے عداوت
چلی آتی ہے۔ ہم دونوں پاس پاس بیٹھے ہتے جب ہم پر گولیاں چلائی گئیں
میرا دوسرا بہائی دو روز ہوئے زخموں کی وجہ سے مرگیا۔ مالک مکان نے
جو گاؤں کا نمبردار بھی ہے اس جہگڑے کی وجہ یوں بیان کی کہ ایک لونڈیا جسکی
منگنی ہمارے گاؤں میں ہوئی تہی۔ ابرکوہ کے ایک نوجوان کے ساتھ بھاگ
گئی۔ محروم شوہر نے اپنے کامیاب رقیب کو مار ڈالا اور پہر اوس وقت سے پانچ
نسلیں گذر چکی ہیں کہ ابہی خون کے بدلے خون کا مطالبہ ہوتا چلا آتا ہے۔
اوس نے کہا بڑے بوڑھوں کا خیال تہا کہ اب بات گئی گذری ہوئی
مگر اب جوانی کے خون نے پہر جوش مارا ہے اور جہگڑا زندہ ہو گیا ہے۔ اب
زیادہ کشت و خون کا خوف ہے۔

اور اس دور و دراز کے علاقے میں الصاف کے قدیمی قدرتی اصول کا
باشندوں پر بڑا اثر تہا اور قانون کی عدم موجودگی میں خانہ الزن اور قبیلوں
کے بچاؤ کا کام دیتا تہا۔

ایک قاتل اس بات کے علم کی وجہہ سے کہ اپنے بھائی یا باپ کے خون کا بدلہ لئے بغیر چھوڑ دینا ہتک کا باعث سمجھا جاتا ہے۔ اپنے قتل کے کام میں رک جاتا ہے اور انجام کو سوچکر اُس سے درگذر کرتا ہے یہی وجہہ ہے کہ ملک کے اس بے ضابطہ حصہ میں نظم قایم ہے کبھی جھگڑے تنازع کا فیصلہ گاؤں کے بوڑھے کرتے ہیں۔ جو عموماً آپسمیں صلح کرا دیتے ہیں۔ لیکن محروم عشق کے جوش میں اس کام کو کر گذرتے ہیں۔ جسکے مہلک نتیجے آئندہ نسلوں کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ جیساکہ اس حالت میں جو ابھی مینے بیان کی۔ مین نے گاؤں کے نمبردار کو جو حقیقت میں ایک مقامی منصف بھی تھا کہا کہ ایسے واقعات فرنگستان کے بعض وحشیانہ حصوں میں بھی کثرت سے پیش آتی تہے۔ اور موجودہ حالت میں سب سے اچھی ترکیب فیصلے کی یہ ہوگی کہ جس فریق کیطرف سے جھگڑا شروع ہو وہ فریق ثانی کو محروم شوہر کے واسطے ایک لڑکی دے اور اسطرح ہمیشہ کے واسطے خوشی سے جھگڑا مٹا دے۔ مینے کہا کہ ایسی حالت میں دوستی بڑھانے اور جھگڑوں کے مٹانے کا مناکحت سے بڑھکر کوئی طریقہ نہیں ہو۔

طہران کے بازاری ٹرمیوے لگاتار کام کر رہے ہیں۔ اگرچہ نفع بہت کم ہے شروع میں کمپنی نے درجہ بدرجہ کرایہ رکھا تھا۔ لیکن مینے سنا ہے کہ اب وہ سب کے واسطے ایک تھوڑی رقم مقرر کرنا چاہتے ہیں جس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آمدورفت میں ترقی ہوگی۔ خاصکر عورتوں کی ملاقاتوں میں کیونکہ اونکا باہر جانے کا لباس ایسا ہے کہ چلنے میں دقت ہوتی ہے۔ ٹرمیوے گاڑیوں میں عورتوں کے واسطے علیحدہ کمرے ہیں۔ رفتار مجبوراً کم رکھنی پڑتی ہے۔ کیونکہ بھرلور بازاروں میں آدمیوں اور جانوروں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مشرق میں حادثات جو یورپیوں کے ہاتھوں سے ہوتے ہیں نہ تو وہ آسانی سے سمجھے جاتے ہیں۔ اور نہ آسانی سے قبول کئے جاتے ہیں۔ طہران کی ٹرمیوے کمپنی کو اسکا تجربہ ہو چکا ہے ایک موقعہ پر ایک سید کے لڑکے کو ضرب پہنچی تھی وہ اصلی نسل کا تھا یعنے سید ہا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں

سے بہتا۔ اسپر خلقت نے اوس کے والد کی موثر فریادوں سے جوش میں آکر گاڑی کو نقصان پہنچایا۔ لالٹین کو توڑ ڈالا

ایک اور موقعہ پر ایک آدمی نے ضد سے نصیحت کی پرواہ نہ کرکے آگے سے داخل ہونے کی کوشش کی۔ وہ پہیوں کے نیچے گر گیا پھر قابل جوش حاضرین کو تندی اور سختی پر ابھار آگیا۔ اور شہر کے حاکم نے کمپنی کے خلاف فدیئے کی ڈگری کر دی۔ جب دوسری طرف سے سڑک کے نقصان کا دعوی کیا گیا تو آپسمیں فیصلہ کرا دیا گیا۔ مشرقی لوگوں کی بے پرواہی جھگڑوں کا بڑا باعث ہوتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ حادثات واقعہ نہوں۔ مگر افسوس اسپر ہے جسکی وجہہ سے واقعہ ہوں مشرقی لوگ حادثات کو جرائم کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں۔

ایران کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بدمعاش ہوتے ہیں جن کو کلاہ نمدہ کہتے ہیں کیونکہ وہ سخت نمدے کی نیچی لٹو پیاں پہنتے ہیں زود رنج بے پرواہ اور ہمیشہ لڑنے کو تیار رہتے ہیں۔ وہ شہدے ہوتے ہیں جو آئی چلائی پر گذارہ کرتے ہیں اور جب گیہوں کو جمع کرکے رکھ چھوڑنے کی وجہ سے روٹی مہنگی ہو جاتی ہے تو باقاعدہ حجگر محنت کرنیوالے لوگ انہیں کو ابھارتے ہیں۔ روٹی کی سازش میں نان بائی سب سے پہلے پکڑا جاتا تھا اور کہتے ہیں کہ ایک کو زندہ تنور میں جلا دیا تھا۔ لیکن آجکل کے گیہوں جمع کرنے کے زمانے میں لوگ گیہوں کے ذخیرے کی تلاشی کرتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوا ہے کہ روٹی کی سازشیں اب بہت خوفناک ہوتی جاتی ہیں جیسا کہ حال میں تبریز کے واقعہ سے ثابت ہوا۔ پیشتر ایک موقعہ پر ولیعہد جو کہ آجکل موجود بادشاہ ہے اور جو بطور گورنر جنرل آذربیجان کے تبریز میں رہتا تھا اس تکلیف کا انسداد نہ کرسکا اور اپنا طہران کا آنا بند کر دیا۔ تاکہ وہ روپیہ لگاکر لوگوں کے واسطے روٹی سستی کیجاوے۔ اس عملی ہمدردی کی وجہہ سے وہ ہر دلعزیز ہو گیا۔ یہ ہر دلعزیزی اوس کے کام آئے گی۔

گیہوں کے دوسرے درجے پر جھگڑا پھیلانے والا تانبا ہے جسکی وجہ سے

طہران میں فساد ہونا ضروری ہے۔ شاہی ٹکسال ایران میں جاری پر چلتی
ہے۔ جسکی برائیاں رائج سکہ تک بھی پہنچ گئی ہیں۔ تانبے کی قیمت کم ہونے
کی وجہ سے بہت سا فائدہ اُٹھایا جاتا ہے اور یہ فائدہ بہت خوفناک حد
کو پہنچا دیا گیا ہے۔ تمام ملک پول (سیاہ پیسہ) سے بھر گیا ہے اور اب یہ
بہت کم قیمت پر ملتا ہے۔ اسکی وجہ سے مزدوری پیشہ لوگوں کو جو اجرت
تانبے کے سکوں میں لیتے ہیں بہت تکلیف ہوتی ہے۔ چونکہ یورپ چاندی
کو تانبے سے زیادہ قیمتی سمجھتا ہے اسلئے ٹکسال کا مالک، روس دھات کی درآمد
سے اتنا فائدہ نہیں اوٹھا سکتا جتنا وہ تانبے سے اوٹھاتا ہے مارچ ۱۸۹۵ء
سے چاندی بالکل نہیں ٹکسالی گئی۔

اور مالک ٹکسال کے پاس چاندی کی بجائے تانبا بھیجنے کا یہی بہانہ
ہے۔ تانبے کی بیس شاہی چاندی کے ایک قرن کے برابر ہوتی ہیں (موجودہ
شرح تبادلہ کی ۴½ پینس ہے) جب چاندی موجود نہیں ہے تو مزدور لگانے
والا اجرت تانبے میں ادا کرتا ہے جو بازاری کاموں کے لئے قیمت میں بہت
گرا ہوا ہے۔ یہانتک کہ جب کسی چیز کی قیمت بلاشبہ ایک قرن سے زیادہ
ہوتی ہے تو سودا شروع ہونے سے پیشتر یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ آیا قیمت
تانبے میں دیجائیگی یا چاندی میں ایسے ملک میں جہاں نقدی کی بہت قدر ہو
جیسا کہ اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حساب ابھی تک دیناروں میں کیا جاتا
ہے جو کہ ایک فرضی سکہ ہے ایک چاندی کا قران سو دینار کا ہوتا ہے۔
اور تانبے کی شاہی پچاس کی۔

بد دلی جسکا مینے ذکر کیا ہے بہت نازک معاملہ ہے کیونکہ اس کا
عوام الناس پر بہت اثر پڑتا ہے۔ ایران میں جب میں شاہرا سے علیحدہ سفر
کرتا تھا تو میں اپنے بڑے نوکر کو اپنے رات بھر کے میزبان سے یہ کہتے ہوئے
سُنکر بہت محظوظ ہوتا تھا کہ مینے رہنے کے کمرے کے واسطے اتنے ہزار
دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اتنے ہزار اینڈھن جو بھے وغیرہ کے واسطے قران
کا کبھی ذکر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اوس کو ساٹھ ہزار کہکر پکارا جاتا ہے

اوپر کا حال لکھنے کے بعد مفصلہ ذیل خبر پہنچی ہے کہ شاہ مرحوم نے تقریباً تین ہفتے وفات سے پہلے ایک حکم جاری کیا تہا کہ ٹکسال پانچ سال تک اپنا کام بند رکہے اور چنگی ڈاک اور تار کے محکمے نقدی کے کاموں میں فلاں حد تک ایک مقررہ شرح پر تانبے کے سکے لیا کریں۔ علاوہ اس کے ایران کے شاہی بنک سے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے واسطے ایک خاص مقدار تک تانبے کے سکے خریدے۔ چھوٹے چھوٹے جائز مالکوں سے جو اپنی ضروریات زندگی کے واسطے اپنے پاس رکہتے ہیں ؎

باب ۴

شاہ مرحوم ہمیشہ اپنی عیسائی رعیت سے فراخدلی اور صلحجوئی سے سلوک کرتا تہا۔ یہ بات اب ذرا غور طلب ہے۔ ایران کی تاریخ میں عیسائیوں کے ساتھ دوستانہ سلوک کے کئی ثبوت ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ لوگوں کو ان کے ساتھ خیرخواہی کرنے پر آمادہ کرتے رہے ہیں۔ شاہ عباس مہربانی اور تحمل کا نمونہ تہا۔ شاہ عباس ثانی ہی وہ شخص تہا جس نے کہا تہا کہ لوگوں کے دلوں کا فیصلہ خدا کے اختیار میں ہے نہ کہ میرے اختیار میں اور جو باتیں خلاق اکبر اور مالک الملک کے دربار سے تعلق رکہتی ہیں میں ان میں دخل نہیں دونگا۔ مشرقی عیسائیوں میں مغربی عیسائی مواعظ بہی امن و چین سے رہتے ہیں کیونکہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی پرجوش کوشش نہیں کرتے۔

صرف امریکہ کا پریسبی ٹرین مشن طہران میں ہے اور یہ اپنا کام الیا با آرام اور عقلمندی سے کر رہا ہے کہ پرجوش ملاؤں کے شبہات کو کبھی ابال نہیں آتا۔ انہوں نے اچھی کامیابی حاصل کی ہے۔ کیونکہ وہ حد سے زیادہ کا لالچ نہیں کرتے وہ تمام قوموں اور مذہبوں کو فائدہ پہنچاتی

خواہش ظاہر کرتے ہیں سنہ ۱۸۹۲ء کے ہیضے میں جو ہسپتال اونہوں نے شہر میں بنایا تہا۔ تاکہ جہانتک اون کی طاقت اور جگہ اجازت دے وہ سب آبلہ والوں کا علاج کریں اس نے ایک بڑا عملی ثبوت اون کے نیک کام اور خیر خواہی کا دیا۔

یہ بیماری بڑی مہلک تہی اور اس کی تباہی کو دور کرنے کے لئے بڑی محنت اور ایثار کی ضرورت تہی۔ یہ اون عیسائیوں نے ظاہر کیں اور جیسا کہ چاہیئے تہا ایرانیوں اور فرنگیوں نے اون کی بڑی تعریف کی ؎

جب تک میں اسکا ذکر کر رہا ہوں مجھے اس عمدہ مثال کا ضرور ذکر کرنا چاہیئے جو شہر کے حاکم عیسے خان نے قایم کی وہ بہت دولتمند تہا اور غریب بیماروں کی حاجت روائی میں بڑی کوشش کرتا تہا۔ وبا کے زمانے میں وہ شہر میں رہا۔ اور دوسرے لوگوں کی طرح اوس نے قریب کی پہاڑیوں پر جاکر اپنی جان بچانی نہیں چاہی۔ لیکن افسوس کہ وہ بہی وبا کا شکار ہوگیا اور اوس کی بیوی جو وبا کے زمانہ میں اوس کے ساتہہ رہی۔ وہ دو روز پیشتر مر گئی۔

یہ یاد ہوگا کہ سنہ ۱۸۹۱ء میں ایک ارمنی لڑکی کی بابت جھگڑا ہوا تہا جسکو ایرانی کردستان کا ایک کرد بہگا لیگیا تہا جب لڑکی کو اوس کے خاندان میں واپس لانے کی کوشش کیگئی تو وہ دونوں ترکی کردستان میں چلے گئے اور سرحد کے دونوں طرف کردوں میں بڑا جوش پہیلگیا۔ جھگڑا بڑھگیا اور ایرانی و ترکی کمشنروں اور کونسلوں نے اس میں حصہ لیا آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ لڑکی اپنے عزیز کرد کے ساتہہ اپنی مرضی سے اوس کی بیوی بنکر چلی گئی ہے۔ اور مسلمان ہوگئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی کردستان کے کردار مینیا کے ہمسایہ کردوں کے ساتہہ دوستانہ تعلقات رکہتے ہیں اور اسوقت عاشق و معشوق کے بہاگ جانے پر انگلستان کے عوام الناس میں شور مچ گیا تہا اور ایرانی اور ترکی سرحد پر بڑا جھگڑا

پڑھ گیا تھا۔

ایران میں ارمنی آرک بشپ جو اصفہان میں رہتا ہے۔ ہمیشہ روسی رعایا میں سے ہوتا ہے جو اریوان کے قریب ایچمیڈزن سے آتا ہے اور اس سے یقیناً حفاظت اور امن میں بہت مدد ملتی ہے۔ فرانس بھی ایران میں کیتھولک ارمنی گرجے کی حمایت کا حق ظاہر کرتا ہے اور سال میں ایکدفعہ طہران کا فرانسیسی سفیر معہ اپنے عملے کے پورے سفارت کے لباس میں ارمنوں کے ساتھ اُنکے گرجے میں نماز پڑھتا ہے۔ تاکہ اون کی حمایت ظاہر ہو۔ اسی طرح ترکی میں فرانس کیتھولک مذہب کی انجمنوں کو اپنے تحت میں لیتا ہے مشرق میں وہ عموماً کیتھولک مذہب کا حامی معلوم ہوتا ہے۔ غور سے دیکھنے والا اس مذہبی تحمل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جو طہران میں شاہ کے سایہ تلے غیر مسلموں کے ساتھ برتا جاتا ہے ان میں عیسائیوں کے علاوہ گبر یعنے آتش پرست اور یہودی ہیں۔ اگرچہ باہر کے علاقوں میں اون کو قتل کیا جاتا ہے۔ تاہم طہران میں اونکو پوری پوری آزادی ہے اور امید ہے کہ علاقوں کے حکام بھی شاہ مرحوم کی عمدہ مثال پر عمل کریں گے۔ بابی فرقے کے مسلمان اسلام سے خارج سمجھے جاتے تھے۔ اگرچہ وہ اپنے آپکو محض اسلام کا فرقہ ظاہر کہتے ہیں اب اون کی بابت بھی اچھا خیال ہوتا جاتا ہے اور بہتر سلوک کیا جاتا ہے۔ کم از کم طہران میں مدت سے اونکو قتل کیا جاتا تھا۔ اور طرح سے ستایا جاتا تھا۔ یہ سمجھکر کہ یہ خطرناک لوگ ہیں اور دینی اور دنیاوی نظام کو درہم و برہم کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن اب اچھی نصیحت اپنا کام کر گئی ہے اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ ان لوگوں کو ستانا ناپسند کرنیکا موقعہ آگیا ہے۔ بہرحال موجودہ زمانے میں یہ گورنمنٹ سے کوئی دشمنی ظاہر نہیں کرتے اور غالباً گورنمنٹ کو بابیوں کی مثل سچ ثابت ہوئی ہے کہ ایک شہادت کی وجہہ سے بہت سے لوگ اور ہمارے مذہب میں آجاتے ہیں۔

بابی عقلمندوں اور عالموں کو اپنے فرقے میں ملانا چاہتے ہیں نہ کہ جاہلوں

اور بیوقوفوں کو خیال کیا جاتا ہے کہ اب ممبر ہونے کے لئے اتنے علم کا ہونا
ضروری ہے کہ لکھنے پڑھنے کے واسطے کافی ہو۔ وہ نمونہ پیش کرنا چاہتے
ہیں نہ کہ زور اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس قتل عام کا مقابلہ نہیں کرتے جس
سے اونکو اکثر بہت سخت تکلیف پہنچتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اسلام کے
پہلے اصولوں کیطرف جانا چاہتے ہیں جو عرب سے آئے تھے نہ کہ سلطنت
کیطرف جس سے آزادی کے خیالات برباد ہو جاتے ہیں جنہیں اسلام نے
پرورش پائی تھی۔ وہ ان عداوتوں پر افسوس کرتے ہیں جو مذہب کے
پیرائے میں کیجاتی ہیں وہ اس بات کو مانتے ہیں کہ تمام مذہب کا ایک
ہی مدعا ہے یعنے سعادت اور وہ اپنے قاتلوں کو ثابت کر دکھاتے ہیں۔
کہ دیکھو ہم زمین پر آرام پہیلانے اور دوسروں کی خیرخواہی کرنے آتے ہیں۔
ایران میں اونکا ایک بڑا بھاری جتھا ہے جسمیں بہت سے عالم ملا اور سید
پوشیدہ طور پر شامل ہیں وہ اپنے مذہب میں ہمیشہ پکے رہے ہیں اور اکثر
اونہوں نے جان بخشی کے وعدے پر باب کے خلاف کچھ کہنے سے انکار
کیا ہے وہ اوسکو لغیر سمجھتے ہیں۔
باب کے حالات کا ایک معتبر مورخ لکھتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کے
خیالات اور امیدوں کو اس دنیا کے کاموں کی طرف لگاتا تھا نہ کہ دوسری
دنیا کیطرف اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا
اور نہ وہ اس زندگی سے پرے کسی چیز کا قائل تھا۔ البتہ اس نئے فرقے
کے پیرووں میں جو بڑے آزاد خیال ہوتے ہیں خیالات کی وسعت کی
امید ضرور ہونی چاہئے۔ بابیوں کے یقین کی بابت مجھ سے کہا گیا کہ وہ
تناسخ کو مانتے ہیں نیک آدمی موت کے بعد زندہ ہو کر خوشی میں آ جاتے
ہیں اور بُرے لوگ تکلیف میں ایک بابی نے مجھ سے آدمی کی پیدائش
سے پیشتر کی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ آئندہ کی زندگی پر ایمان
رکھتے ہیں تو پیشتر کی زندگی پر ایمان کیوں نہیں رکھتے کیونکہ ابد کا نہ
شروع ہے نہ انجام۔

یہ تناسخ کا خیال اس یقین سے نکلا ہے جو وہ باب کے دوبارہ زندہ ہونے میں رکھتے تھے اور اپنے مذہب کے اٹھارہ نبیوں کے بارہ میں رکھتے تھے۔

کچھ عرصہ سے اس خیال کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں کہ اب بابیوں کو قتل نہیں کرنا چاہیئے۔ بہت سے اعلےٰ درجہ کے لوگ یہ معلوم کرتے ہیں اور غالباً کہتے ہیں اور اون کی ہمدردی ظاہر کیگئی ہے ایکدفعہ ایک مولوی لوگوں کے ساتھہ تحمل سے برتاؤ کرنے کا ایسے طریقے سے ذکر کر رہا تھا کہ گویا وہ اون کو بہت خطرناک نہیں سمجھتا تھا تب ایک بڑے باثر اور معتبر سپاہی نے سنہ ۱۸۹۰ء و سنہ ۱۸۹۱ء کے بابیوں کے قتل عام کا حوالہ دیکر کہا کہ وہ ایک نہ صرف بے رحمی کا کام تھا بلکہ ایک بے وقوفی کا کام تھا کیونکہ ایک بابی کو مارنا ایسا ہے جیسے چنار کے درخت کو کاٹنا جہانپر ایک شاخ کاٹی جاتی ہے وہاں سے بہت سی شاخیں نکل پڑتی ہیں۔ اور ایک کی بہت سی ہو جاتی ہیں ایک ملا بابیوں کے ساتھہ مہربانی کا سلوک کرنے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے بولا کہ میں اوس زمانے کا انتظار کرتا ہوں جسمیں تمام قسم کے لوگوں کے ساتھہ ایک سا برتاؤ ہوگا۔ اور سب مذاہب اور اقوام کے واسطے ایک سا قانون ہوگا۔

پچھلا بابیوں کے قتل عام کا واقعہ جسکے رہبر ملا تھے ماہ اپریل سنہ ۱۸۹۱ء میں یزد میں ہوا۔ یہ غالباً اصفہان کے بابیوں کے قتل کا نتیجہ تھا جو ایک سال پیشتر ہوا تھا اور جسکی ملاؤں کی تندہی اور مخالفت کی آمادگی کی وجہہ سے کوئی سزا نہیں دیگئی۔

اسوقت ایک گروہ بابیوں کا بہ جوش اور خون کے پیاسے اژدہام سے بچنے کے لئے ہندیورپی تار کی کمپنی کے دفتر میں جا چھپا اور وہاں اون کو پناہ ملگئی شہر کے حاکم سے خط و کتابت کیگئی جسنے اونکو ایک فوج کے ہمراہ صحیح و سلامت گھر پہنچانے کا انتظام کیا اس بھروسے پر پناہ گزین تار کے دفتر سے چلدیئے۔ لیکن وہ ابھی بہت دور نہیں گئے تھے کہ تندا تبوہ نے

اونپر حملہ کر کے بہت بے رحمی سے مار ڈالا۔ شاہ کو اس دغابازی کی بابت سنکر بہت غصہ آیا۔ لیکن چونکہ حاکم نے یہ عذر پیش کیا کہ فوج کم تھی جوش میں بھرے ہوئے گروہ کے سامنے جنکے اکسانے والے ملا تھے۔ کوئی پیش نہیں جاتی تھی اسلئے بات رفت وگذشت ہوگئی۔"

بہت سے مشاہدین یہہ دیکھکر بہت حیران ہوتے ہیں کہ تمام ایران میں بابی کثرت سے ہیں اور آسانی سے اونکا بابی ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر بھی اون کے قتل کے ہنگامے بڑھتے نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ علاوہ مشہور بابیوں کے بہت سے لوگ اون کی ہمدردی کرنیوالے ہیں۔ جو ظاہرا بابیوں سے صرف ایک قدم پیچھے ہیں اور۔ اگر لگاتار اون کی کشت وخون کا سلسلہ جاری رکھا جائے تو وہ ہمدردی کرنے والے مظلوموں کے جبر سے شامل ہو جائینگے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بابیوں کا پلہ بھاری ہے یہی خوف بغیر کسی اور دلیل کے ملاؤں کو اسبات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی سرکش اور جوشیلے بھائیوں کو قبضے میں رکھیں کہیں کہیں جو جھگڑے ہو جاتے ہیں وہ عموماً ذاتی دشمنی اور نفع کے لالچ سے ہوتے ہیں۔ ٹھیک جیسا کہ اور ملکوں کی بابت مشہور ہے کہ ایک ممنوع مذہب کی پیروی پوشیدہ طور پر کی جاتی تھی اور روپیہ دیکر قتل اور تخریبی سے بچ جایا کرتے تھے۔ اسی طرح ایران میں بابیوں نے بہت سے لوگوں کو دشمن سے دوست بنالیا ہے اور بعض اوقات لالچی لوگ بعض افراد کو ستاتے ہیں اور بہت مذہبی جوش ظاہر کرتے ہیں۔ جب اون کی بابت پوری ہو جاتی ہے تو خاموش ہو جاتے ہیں بعض وقت بازار کے خرید وفروخت کے معاملے میں مقروض جو کہ ایک مسلمان ہوتا ہے قرضخواہ کو جسکو وہ جانتا ہے کہ بابی ہے دہمکی دیتا ہے کہ اگر تم یہ روپیہ نہ چھوڑوگے تو میں ظاہرا طور پر تمہارے خلاف کارروائی کرونگا۔ میں نے ایک واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ ایران کے ایک بڑے بابی تاجر نے ایک غیر ملک سفارتخانے کے طویلہ میں پناہ لی اور وہ بازاری بدمعاشوں سے جان بچانے کو بھاگا تھا

جن کو اس کے ایک مقروض نے یہہ کہکر بھڑکایا تہا کہ یہہ کافر ہے اسے مار ڈالو۔ یزد میں بابیوں سے اون کی جان و مال کی حفاظت کے لیئے روپیہ لینے کا کام ایسا شہرت اور کامیابی سے چلا ہوا تہا کہ بعض غریب مسلمانوں نے بہی حصہ مانگا اور محروم رہے کہتے ہیں کہ ۱۸۹۱ء کے قتل عام کا یہی سبب تہا۔

بابی باوجود اپنے اختلاف رائے مسجدوں میں آکر ملاؤں کے لکچر سنتے ہیں اور مذہب کی سب ظاہری باتوں کو مانتے ہیں اور غضب سے بچنے کے لئے جو اوسپر جلسوں میں عدم شرکت کی وجہہ سے اون کے متعصب اور جوشیلے ہمسایوں سے نازل ہوگا۔ اون میں سے دو ا چار تک اختلاف رائے کیوجہہ سے بابی قرار دیئے گئے مباحثہ باہر کہلے بازاروں میں ہوا۔ الزام لگانے والے شور مچاتے تہے اور دہمکیاں دیتے تہے وہ غریب تہے۔ اِسلیئے اون کو حفاظت کرنے والے نہ ملسکتے تہے۔ جب لوگوں نے بہت تنگ کیا۔ تو ایک جوشیلا دوست اون کی مدد کو آگے بڑہا اور کہا کہ اگر وہ بابی ہیں تو اونہوں نے تمہیں کیا نقصان پہنچایا ہے۔

اسپر شور مچ گیا اور لوگوں کی تندی بہت بڑھگئی۔ جب انبوہ بہت بڑھگیا تو لوگوں کو اپنی عداوتیں پوری کرنے اور مختلف قسم کی غرضیں حاصل کرنیکا موقعہ ملگیا۔ تین اور شامل کر کے چھ کر دیئے۔ اور گورنر کے پاس لیگئے۔ تاکہ وہ ایک قبیح مذہب کے پیرو ہونے کی وجہہ سے مجرم قرار دے۔ ملاؤں نے اوسکو ترغیب دی کہ باب کو گالی دیکر اپنی جان بخشی کرد اون سب نے انکار کیا اون کے بیوی بچوں کو بلوایا گیا۔ تاکہ اون کو دیکھکر وہ جینے کی خواہش کریں۔ اور اپنے مذہب کو چھوڑ دیں۔ لیکن اس سے اُن کے پکے ارادے پر کوئی اثر نہ پڑا جب اون سے کہا گیا کہ موت آنیوالی ہے اونہوں نے جواب دیا کہ ہم بہت جلد پھر جی اٹھینگے۔ جب اون کے اس عقیدے کے متعلق بحث کیجاتی ہے تو صرف اتنا کہدیتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کیونکر ہوگا۔ اتنا جانتے ہیں کہ ایسا ہی ہوگا۔ ترجمہ

لولوں کے سپرد کیئے گئے اور اپنے عقیدے پر ثابت قدم رکھ مارے گئے ۔
چونکہ لوگ باقیوں کا بھی اسی طرح فیصلہ کرنا چاہتے تھے اسلیئے وہ ڈاکو اور لے آئے۔ گورنر نے اونکو بچانے کیغرض سے قید کر دیا۔ لیکن لوگ اون کے خون کے پیاسے تھے۔ اونہوں نے اسقدر شور مچایا کہ کمزور طبیعت حاکم نے پہلوں کی طرح اون کو بھی بے رحم موت کے حوالہ کر دیا۔ ان دونوں نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح باب کو گالیاں دیکر جینے سے انکار کیا۔

ملا بابیوں سے انکار کروانے میں ہمیشہ ناکامیاب رہے ہیں اور اسی عقیدے کے استقلال کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو خیال ہو گیا ہے کہ یہ لوگ انجام میں کامیاب ہوں گے

سوچنے والے لوگ کہتے ہیں جیسا رومی عیسائیوں کی نسبت کہتے تھے کہ یہ کس غضب کے آدمی ہیں جو اپنے ایمان کے واسطے بے خطر جان دینے کو تیار ہیں۔ ایک بابی کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ اوس نے موت سے بچنے کے لیئے انکار کر دیا تھا مگر پھر وہ اپنے مذہب میں ملگیا اور صبر سے موت کو برداشت کیا جس سے وہ ڈرتا تھا۔

جن ملاؤں نے یزد کا قتل عام کروایا تھا وہ سب قصبے کو اس جرم میں لپیٹنا چاہتے تھے اسلیئے انہوں نے شہر میں خوشی کے طور پر روشنی کرنے کو کہا اس کا حکم دیا گیا۔ لیکن حاکم کو بر وقت اس حکم کے واپس لینے کے واسطے خبردار کیا گیا۔ عام لوگوں کے خیالات سے یہ ظاہر ہوتا تھا اور افسروں کو یہ معلوم ہوا کہ آدھے یا آدھے سے زیادہ دوکاندار بابی تھے۔ وہ کبھی روشنی نہ کرتے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ وہ ان قتل کے واقعات کو پسند کرتے تھے اور اپنے مذہب سے انکار کرتے تھے خوشی سے اظہار میں شامل ہونے کا مصمم ارادہ رکھتے تھے اس سے لوگوں پر پھر غصہ آتا اور تمام بابی ذاتی حفاظت کے اصول سے مقابلہ پر تیار ہو جاتے ۔

شاہ مرحوم کو اس قتل عام کی خبر سنکر بہت رنج ہوا اور حاکم شہر کو جو کہ اوس کا اپنا پوتا تہا وہاں سے تبدیل کر دیا۔ اگرچہ اوس کا عذر تہا کہ مولویوں کی طاقت جنہوں نے لوگوں کو بھڑکایا تہا بہت بڑی تہی۔ وہ کسی طرح اون واقعات قتل کو روک نہیں سکتا تہا۔ غالباً موجودہ گورنمنٹ کو بابی شورش کے امن کا یقین ہو گیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ قتال کے بند کرنے کے احکام کی وجہہ سے جنکی کچھہ حد تک خیالات عامہ بھی امداد کرتے ہیں ہم آئینہ اصفہان اور یزد کی سنہ ۱۸۹۰ء اور سنہ ۱۸۹۱ء کے سے جرائم سُننے میں نہیں آئینگے۔

بابی اصلاح عورتوں کے ساتھہ سلوک کرنے کے بارے میں پرانے اور نئے مشرقی نظاموں میں ایک بڑی ترقی پیدا کرنے والی ہے تعدد ازدواج اور لونڈیاں رکھنا بالکل منع ہیں۔ برقع اوڑھنا بُرا سمجھا جاتا ہے۔ مرد عورت کی مساوات پر اسقدر زور دیا گیا ہے کہ کم از کم انیس بڑے بڑے پیغمبروں میں سے ایک عورت ہونی چاہیئے۔ اس ایران کی عورتوں کی پہلی حالت کی طرف رحجان معلوم ہوتا ہے جسکا ذکر میلکم نے کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کونٹس کرٹیش نے اسکندر سے کہا کہ کسی کہیں کے سامنے جبتک وہ نہ کہے مت بیٹھنا۔ کیونکہ ایران میں بیٹے اپنی ماؤں کے سامنے بیٹھتے نہیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اسکندر نے حملہ کیا۔ اسوقت ایران میں عورتوں کی کہانتک قدر کیجاتی تہی اور خیال کیا جاتا تھا کہ ایران کے شائستگی حاصل کرنے کی یہی بڑی وجہہ تہی۔ آجتک پارسی اسی طریقے سے رہتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس پورا مصالحہ نہیں ہے کہ ہم یونانیوں میں ماں کی عزت کا موازنہ کر سکیں تاہم والدہ کے ساتھہ ایسا ہی برتاؤ ہونے کی وجہہ سے ہم ماؤں کی عزت کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ ہم اوسی واقعہ سے پتہ لگا سکتے ہیں جو سنہ ۱۸۴۸ء میں محمد شاہ کے مرنے پر ہوا۔ کہ ایک قابلہ عورت کو امور سلطنت میں اپنا زبردست تسلط بٹھلانے کی عام لوگوں کی رائے سے ایسے نازک وقت

میں اجازت دیگئی کہ جب بڑے بڑے دانا صلاح کاروں کی ضرورت ہوتی ہے بادشاہ کی ماں اسوقت اراکین سلطنت کی مجلس کی میر مجلس بنگئی۔ اور بڑی ہوشیاری سے مخالف فریقوں کو سمجھادیا اور گورنمنٹ کو مستحکم بنادیا۔ یہانتک کہ نوجوان بادشاہ یعنی شاہ مرحوم امن میں ہوگیا۔

مدت تک یہ خیال کیا جاتا تھا کہ صرف روس اور انگلستان ہی دو ایسی سلطنتیں ہیں جنکا ایران سے کچھہ تعلق ہے۔ لیکن گذشتہ چند سال کے عرصہ میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ٹرکی بغداد اور ارضروم کے علاقوں میں اپنا تسلط قایم رکھنے کے ارادے سے ایران کی سرحد پر دعوے کریگی۔ فرانس نے بھی ایران میں اپنا اغراض کو بڑھا لیا ہے اور جرمنی نے عملی طور پر حجم شروع کردی ہے وہ ٹرکی سرحد کے شہر خانی کین اور طہران کے درمیان کی سڑک کو مرمت کرنا اور ایک اور سڑک وہاں سے بغداد تک بنانا چاہتی ہے۔ غالبًا یہ معلوم ہوجاسے گا کہ یہ سڑک کی تجویز اوس جرمنی کمپنی کی ہے جو بغداد و باسفورس کے درمیان ریلوے لین بنا رہی ہے۔ جس کا کچھہ حصہ پہلے ہی زیر تعمیر ہے۔ بڑی لین انگورہ۔ قیصریا۔ دیار بکر۔ مردین اور موصل میں سے ہوکر گذرتی ہے اور ایک شاخ اوس کی شہر سے نکلکر قونیہ مارسک اور ارفا ہوتی ہوئی دیار بکر پر آملتی ہے۔

خیال کیا جاتا تھا کہ چونکہ قونیہ برآمد کی پیداوار کا ایک بڑا مرکز ہے اسلیے سمرنا لائینوں کے مالکوں نے وہاں تک سڑک بڑھانے کی اجازت میں یہانتک مقابلہ کیا کہ اناٹولین۔ کمپنی کو بغداد تک ریل بنانے کا ٹھیکہ دینے میں دولت عثمانیہ کامیاب ہوگئی۔ کہا جاتا تھا کہ اسقدر سخت مقابلہ تھا کہ گورنمنٹ کی حالت اوس شخص کی سی ہوگئی جو ایک بڈھا اونٹ اور خوبصورت بلی بیچنے کو بازار گیا تھا۔ بلی اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھی ہوئی دکھائی گئی اور بہت سے لوگوں نے اوس کی خواہش کی۔ لیکن کسی نے اونٹ پر بولی نہ دی۔ بلی کے واسطے مقابلہ بہت بڑھ گیا اسپر مالک نے پکار دیا کہ دونوں چیزیں اکٹھی ملیں گی۔ اس طرح بلی کے ساتھہ اونٹ

بھی بک گیا۔ لیکن اصلی بات یہ ہے کہ قونیہ کی لائن کے واسطے مقابلے کا کوئی
موقع نہیں تھا۔ اناٹولین کمپنی کی چھوٹی لوپ لائن کے واسطے خاص
حقوق تھے۔ جسکا مینے ذکر کیا ہے کہ قونیہ سے گذرتی ہے اور بڑی شمالی
لائن سے دیار بکر پر پھر جا ملتی ہے

اوسکا لائن کو بغداد تک پھیلانے کا بھی خاص حق ہے اور اس کے وہاں
پہنچانے کا وہ ارادہ رکھتے ہیں۔

اب حال میں سمرنا انڈین لائن کو بہت ترقی ہوئی ہے۔ کیونکہ ایشیا
کوچک کی گیہوں کے علاوہ وہاں کے جو کی مانگ بھی بڑھتی جاتی ہے
اس کے یہ معنے ہیں کہ اور جگہوں کے لوگوں کی شراب اور روٹی کی سامان
وہاں کثرت سے اور ارزاں ملسکتے ہیں۔ اور اگر وہاں زیادہ ریل پہنچاوے
تو آمد اور خرچ دونوں بڑھ جائینگے۔ وہی جو کی تجارت جنوبی ایران اور
ٹرکی عرب میں بھی بڑھ گئی ہے۔ چند سال پیشتر جبکہ گیہوں کی کم قیمت کیوجہ
سے موجودہ گیہوں کی تجارت کو نقصان پہنچا تھا۔ خلیج فارس کے بندروں
سے جو کی برآمد میں فائدہ معلوم ہوا ہے۔ ایران میں جو سب سے ارزان
اناج ہے۔ کیونکہ وہاں گھر کے خرچ کے واسطے صرف گیہوں استعمال کئے
جاتے ہیں۔ اور یہ سب لوگ گھوڑوں کو کھلاتے ہیں۔ بیج کے بارے میں
عدم توجہی کی وجہہ سے اور فصلوں کے بہت قریب ہونے کیوجہہ
سے گیہوں اکثر جو سے ایسے ملجاتے ہیں کہ ملاپ اور کمی کا اکثر جھگڑا رہتا تھا
جب میں اہواز میں تھا جو قارون پر واقع ہے تو مینے دیکھا کہ ایک کل اناج
جدا کر رہی تھی۔ عرب مالک ناقابل فروخت جو واپس لیجانے کو انتظار
میں بیٹھے تھے۔ اور جو ایک یورپی کمپنی برآمد کے واسطے خرید کئے تھے وہ کل
بھی اس کمپنی کی تھی آجکل غالباً عرب مالک کل کی دوسری طرف بیٹھے ہیں
تاکہ ناقابل فروخت گیہوں واپس لیجائیں اور تجارت میں تبدیلی پیدا ہونے
کی وجہہ سے اب جو برآمد کے واسطے خریدے جاتے ہیں ؏

جس جرمنی کمپنی نے ایرانی سڑک کا ٹھیکہ لیا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے

طہران کے ٹرامویے کو کوہ شمران پر دیہات تک پہنچانے کی تجویز پیش کی تھی۔ یہ سب دس میل کے فاصلے کے اندر ہی ہے۔ شہر کے تمام رئیس دربار شاہی۔ تمام غیر ملکوں کے سفارتخانے اور جو لوگ فیشن کی پیروی کرنا چاہتے ہیں یا نقل مکان کی قابلیت رکھتے ہیں وہ گرمیوں کے موسم میں یہاں رہتے ہیں۔ یہ موسم شروع جون سے اخیر ستمبر تک رہتا ہے یہ تمام قصبے کی مضافات سمجھا کہلا سکتی ہے اور وہاں بڑی آمدورفت ہوتی ہے۔

میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ روسی ایک سڑک بحیرہ خضر سے کاسوین تک بنا رہے ہیں تاکہ طہران کی منڈی میں روسی تجارت خوب مستحکم ہو جائے۔ ساحل سے دارالخلافہ تک کل دو سو میل کا فاصلہ ہے۔ ہموار ملک میں کاسوین سے ہمدان تک جو کہ تقریباً ایکسو پچاس کا فاصلہ ہے ایک پرانا کاروانی راستہ ہے

کچھ عرصہ سے یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ روسی کمپنی کو اس راستہ کی چھکڑوں کی سڑک بنانے کی اجازت دیدی گئی ہے اور ساتھ اوس راستہ کو بھی ملایا جائیگا جو رشط سے آتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آمدورفت میں ترقی ہوگئی تو روسی تجارت ہمدان میں کامیابی سے مقابلہ کر سکے گی بحیرہ خضر سے اوسکا فاصلہ طہران کے فاصلہ کی نسبت صرف پچاس میل زیادہ ہے۔

اور تبادلے میں روئی کی تجارت بھی ہوگی۔ کیونکہ اب ارمنی سوداگر جنوب میں اصفہان اور یزد تک کی روئی باہر بھیجتے ہیں۔ جرمن سڑک جو بغداد سے طہران کو جائیگی اس سڑک کو ہمدان میں ملیگی۔

جن اضلاع میں۔ اناج۔ اون اور شراب کثرت سے ہوتی ہے انمیں کرمانشاہ اور ہمدان جہاں سے ارمن سڑک گذرتی ہے دو بڑے تجارتی مرکز ہیں۔ ان جگہوں میں کربلا یعنی بغداد جانے والوں کے دائم المتحرک قافلو بھی ملتے ہیں۔ جو سال میں ایک لاکھ کے قریب ہوتے ہیں۔ کربلا کے حاجیوں کا اور سوداگروں کا سالہا سال سے یہی راستہ رہا ہے۔ اگر سڑک کی اصلاح کر کے زیادہ آسانیاں پیدا کر دی جائیں تو آمدورفت میں

یقیناً ترقی ہوگی"

کہا جاتا ہے کہ رشت کی روسی سڑک میں لکیریں اسواسطے بنینگی کہ آئندہ ریل بنانے میں آسانی ہو۔ ہمدان کی سڑک میں بھی غالباً یہی کیا جائے گا اور یقین کیا جاتا ہے کہ جرمن سڑک بھی اسی طریقہ پر بنائی جائے گی

ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رعایتوں کی آڑ میں وہ وعدے بھی ہیں جو آئندہ کسی مناسب موقع پر ریل بنانے کی اجازت دینے کو کئے گئے ہیں۔ اگر آئندہ زمانہ کی دھندلی تاریکی میں امید کی آنکھ سے دیکھا جائے تو کوئٹہ یا وادی ٹنک لائن کو کرمشاہ سے ملا کر ہندوستان اور یورپ کے درمیان آمد ورفت ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

اس سے ہماری توجہ روس اور ایران کے سنہ ۱۸۹۰ء کے عہد نامے کی طرف منعطف ہوتی ہے جس کی رو سے اس صدی کے اخیر تک ایران میں کوئی ریلوے نہیں بنائی جائے گی۔ جب یہ عہد نامہ معلوم ہوا تھا کہ یہ روس کی ایک وحشیانہ پالیسی ہے کہ وہ نہ تو خود طاقت رکھتا ہے اور نہ اوروں کو مدد کرتا ہے کہ ایران میں آمد ورفت کے ذرائع پیدا کئے جاویں اور ملک کو ترقی دیجاوے۔ لیکن یہ یقین بے بنیاد نہیں ہے کہ خود شاہ روس کی اس درخواست کو قبول کرنے پر تیار تھا۔ کیونکہ یہ ریلوے اوس کے دارالخلافہ کو کاکیشیا سے ملا دیتی۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں ایران میں ریلوے کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور روس جانتا تھا کہ اوسے ایران اور افغانستان کی شمالی سرحد تک ریلوے پہنچانے میں کم از کم دس سال لگینگے۔ اب چونکہ تفلس سے الگزنڈروپال تک ریل تیار ہو گئی ہے اور کارس سے ایک شاخ آراس کی زرخیز وادی میں سے ہوتی ہوئی جلفہ کو جائے گی جہاں سے وہ ایرانی سرحد کے پار تبریز تک پہنچ سکیگی۔ اور ایک شاخ دوشاخ یا کرینبت سے جو ٹرانس کیسپین ریلوے پر واقعہ ہیں، سرخ کو جائے گی جہاں روس ایران اور افغانستان ملتے ہیں۔ تاکہ ہرات اور مشہد سے بآسانی تجارت ہو سکے۔ اسی اثناء میں جھگڑوں کی سڑکیں جو بروقت ضرورت ریلوے کے کام

کے لئے تیار ہوگی۔ بحیرہ خضر سے کاسوین۔ طہران اور ہمدان تک مکمل ہو جائے گی۔

روس اس خیال پر زور دیتا رہا کہ اگر قارون کی بندرگاہ دنیا کی واسطے کھول دی جائے تو انگلستان کے واسطے سیاسی فتح ہوگی اور انگریزی تجارت کے واسطے ایک خاص رعایت ہوگی۔ کیونکہ جنوب میں سب سے زیادہ تجارت انہیں کی ہے۔ اسلئے انہوں نے خوب سوچا۔ کہ اس کے بدلے میں ہم کیا لیں جس سے ہماری تجارت شمال میں زبردست رہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دس سال تک ایران میں ریلوے بنانے کی مناہی ہوگئی۔ روس انگلستان کی طرح اپنی تجارت ایران میں بڑھانا چاہتا ہے اور وہ اپنی تجارت کے واسطے آسانیاں اور بڑی سے بڑی رعائتیں حاصل کرنے کو اپنے اوس رسوخ کو کام میں لائیگا۔ جو اس کو قریب ہونے کیوجہ سے حاصل ہے۔

جب روس اور انگلستان اس طرح اپنی تجارتی رقابت میں مشغول تھے جرمنی نے یکایک وسط ایران کے مغرب میں آ سر نکالا۔ جہاں ان دونوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ایران بھی اپنی تجارتی مہموں میں سست نہیں رہا۔ ایرانی تاجر نہ صرف اپنے ملک کی ساری تجارت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔ بلکہ اونہوں نے غیر ملکوں کے کارخانوں سے براہ راست تعلقات پیدا کر لئے ہیں اور اب بڑی چالاکی سے یورپی سوداگروں کا مقابلہ کر رہے ہیں جن کے ہاتھ میں پیشتر تمام درآمد و برآمد کی تجارت ہوتی تھی۔ ایران کی شاہی بنک نے وہ آسانیاں پیدا کر کے جو پہلے موجود نہ تھیں۔ دلیسی مہموں کے جوش کو بھڑکا دیا ہے۔ ناصری کمپنی جو ایرانی سوداگروں کی ہے ۱۸۹۰ء میں قارون بندر پر تجارت کرنے کو قائم ہوئی اس نے دو چھوٹے چھوٹے آگبوٹوں سے کام شروع کیا بعد ازاں ایک اور آگبوٹ خرید لیا گیا۔ اور وہ اب چوبتے کے واسطے خط وکتابت کر رہے ہیں۔ اون کی پاس ایک گھوڑوں کا ٹمیوے ہے جو تقریبًا ڈیڑھ میل لمبا ہے۔ اوپر اور

نیچے کی ندی کے درمیان اسباب منتقل کرنے کے واسطے۔ جہاں اہواز کے آبشار جہازوں کو نہیں چلنے دیتے۔ اس تجارتی مجلس کو بڑی مدد پہنچتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہر ایک خوشحالی کو زندہ کرے۔ جسکی وجہہ سے قارون کی وادی آجکل کی دریائے نیل کی وادی کے برابر تھی

مسٹر لنچ برادرز کا بھی ایک آگبوٹ دریائے قارون کے نچلے حصّے میں چلتا ہے اور ایک مضبوط پہیئے والی کشتی ندی کے اوپر کے حصّے میں اون کے ادر ناصری کمپنی کے درمیان بمبئی اور شستر میں خط و کتابت ہوتی رہتی ہے۔ شستر کی برآمد کی چیزوں میں سے ایک امریکہ کا مٹی کا تیل ہے جو شستر کے کچے تیل کی بجائے لمپوں میں جلایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سالہا سال سے وہی کچا تیل استعمال کیا جاتا تھا۔ کچے تیل میں چونکہ بنزین بہت ہوتا ہے اسلئے لمپ میں بھبکا اٹھنے کا بہت خطرہ ہوتا ہے۔ جو شستر کے باشندے ایک بہتر چیز خرید سکتے ہیں وہ امریکہ کا تیل خریدتے ہیں شستر کے کچے تیل کے چشمے وہاں کے ایک سادات کے خاندان کے متعلق ہیں۔ اور یہ روسی کانون کی مجلس کے حلقے میں نہیں تھے۔ اگر ناصری کمپنی قارون وادی کے ذرائع کو پھیلانا چاہے تو یہ تیل کے چشمے عملی طور پر مزاحمت کریں گے۔

کچھہ مدت سے بلجیم نے بھی ایران میں بہت دلچسپی ظاہر کی ہے۔ ٹریموے کمپنی۔ طہران کا شیشے کا کارخانہ۔ اور مضافات کی چقندر کی کھانڈ کا کارخانہ یہ سب چیزیں بلجیم کے روپے سے قایم ہوئی ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ ہالینڈ بھی اپنا روپیہ ایران میں لگانا چاہتا ہے۔ ممکن ہے کہ قارون وادی کی آبپاشی کی تجویز میں اسے موقعہ ملجائے۔ ایران میں مختلف اقوام کے حقوق جم جانے سے اوس کی قومی آزادی پر بہت اچھا اثر پڑیگا اور سے اپنے قومی ذرائع کو پھیلانے اور ایک حکومت قایم کرنیکا موقع ملجائے گا۔ ایک مستحق ولیعہد کا امن چین سے تخت پر بیٹھہ جانے سے ملک کی ترقی اور خوشحالی پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ اس خیال نے جو شاہ مرحوم کی طویل

دوران حکومت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوا تھا۔ اور خیال وفاداری لئے جو اس سے وہ رکھتے تھے۔ اصلی وارث کے حق میں ناصر الدین شاہ کی وصیت کو بہت استحکام بخشا۔

ایران کے موجودہ حکمران قوم کے لوگ موروثی طور پر فرقہ قاچار کے سردار ہوتے ہیں اور اب تک اس حالت کی رسومات کو قائم رکھتے ہیں اونہوں نے اپنی جنگجوئی کی بہادرانہ عادات کو چھوڑ کر عیش و عشرت اور عیاشی کو اختیار نہیں کیا۔ اور یہی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے ایران کے بہت سے بادشاہوں کی طاقتیں برباد ہوگئیں اور زندگیاں تباہ ہوئیں۔ موجودہ حکمران خاندان تک شہزادے محلوں میں بند رہتے تھے۔ اور اون کی تعلیم و تربیت عورتوں اور خادموں کے سپرد ہوتی تھی۔ اور بادشاہ کی وفات تک اوس کے وارث کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ اوسوقت ایک لونڈی کا لڑکا بھی تخت پر بیٹھنے کا ویسا ہی مستحق سمجھا جاتا تھا۔ جیسا کہ ایک نہایت مغرور شہزادہ کا جسکو ایک شہنشاہ کی منکوحہ ہونے کا فخر حاصل تھا۔ تقریباً چارسو سال پیشتر تک یورپ کی طرح ایران میں قتل کے ذریعہ سے تخت پر قبضہ کیا جاتا تھا۔ تخت کے تمام وارث یا تو اندھے کر دئیے جاتے تھے یا جلاوطن کر دئیے جاتے تھے۔ خاندان صوفیہ کا جو کہ خاندان قاچار سے پیشتر حکمران تھا یہی دستور تھا۔ لیکن تبدیلی کیوجہہ سے جو اسوقت واقعہ ہوئی یہ خوفناک دستور غائب ہوگیا۔ اور جو دستور اون جنگجو قوموں کے خیالات کے موافق تھے وہی پھر قائم کئے گئے۔ شاہ مرحوم کے وقت میں شہزادے بڑے بڑے علاقوں میں مامور کئے جاتے تھے اور اپنے عہدوں کے اختیارات اور ذمہ واریوں میں کام کرتے تھے

ایران کی بابت یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہاں ایک خاندانی جمہوری حکومت سوائے خاندان شاہی کے لوگوں کے اور جنگجو قوموں کے سرداروں کے جن کو جنگی امرا کی حکومت کہنا چاہیئے۔ لہذا کسی کا عہدہ موروثی نہیں ہوتا لیکن ایک قسم کا خطابات کا سلسلہ ہے جن کی وجہہ سے اون کو حاصل

کنندوں کو بعض حقوق مجاتے ہیں اور ان کی بہت قدر کیجاتی ہے۔ خطابات سے برائے نام کوئی خاص صفت عقل یا بہروسہ ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً معین الملت۔ معتمد الدولہ معتبر السلطان یہ اعلیٰ درجہ کی بیگمات کو بھی عطا کئے جاتے ہیں۔ کسی جانور کا نام کبھی خطابات میں شامل نہیں کیا جاتا مینے صرف ایک مثال اس امر کے خلاف سنی ہے۔ ایک فرنگی کو اس کے ایرانی مربیوں نے شاہ کے سامنے پیش کیا اور عرض کیا کہ اسے خطابات حاصل کرنے کی بہت خواہش ہے۔ شاہ نے جو کہ مذاق کو بہت پسند کرتا تہا چہرے پر عزت کی خواہش کے آثار دیکھکر کہا اچھا یہ فخر الملک ہے۔ نیا امیر نہایت ادب سے شکریہ ادا کرتے کو تہا۔ اُنہنے کہا کہ حضور والا میں آپ پر قربان ہوں گا اور پہر دبی زبان سے کہا کہ شیر کو کم از کم ایک بیلے کی روزانہ ضرورت ہوتی ہے۔

شاہ اوس کے پر معنی الفاظ پر ہنس پڑا۔ اور کہا کہ اچھا اسے ملجایا کرے جبتک کوئی خاص ہدایت نہو۔ خطاب کے ساتھہ کوئی انعام ملنا ضروری نہیں ہے اس خطاب کے ہونے کے طور پر شاہ کے خیال میں علی قلیخان کا قصہ ہوگا جو کہ شاہ سلیمان کے اوردوں میں سے تہا۔ شاہ عباس کے زمانے میں یہ سردار ہمیشہ قید رہتا تہا سوائے اوس وقت کے جبکہ ملک کو اوس کی خدمت کی ضرورت ہوتی تہی۔ اس سے اوسکا نام شیر اگن مشہور ہوگیا۔ کیونکہ لوگ کہتے تہے کہ وہ ہمیشہ زنجیر سے بند ہا رہتا تہا۔ سوائے اس وقت کے جب اوس کو لڑانے کی ضرورت ہوتی تہی ہو

شاہ جس کو چاہے سب سے ادنے درجے سے سب سے اعلے درجہ تک پہنچا سکتا ہے۔ سوائے خانہ بدوشوں کے سب سے زیادہ طاقتور فرقے کے جسمیں سرداری اعلے درجہ کے خاندانوں کے بڑے بڑے لوگوں تک محدود ہوتی ہے۔ یہ لوگ ایک ہی بزرگ کی دولتوں کی بجائے ہوتے ہیں جب ایک پارٹی فری اختیار ہولتی ہے تو دوسری اوس کی مخالف

ہوتی تھی۔ ایک جرگے کا سردار اپنے آپکو سب سے معزز خطاب یافتہ درباری سے اعلیٰ سمجھتا ہے۔ لہذا فرقوں کے سرداروں کو ہم معروفی امراء کہہ سکتے ہیں بادشاہ اپنے اختیار سے سلسلہ وراثت کو بدل سکتا ہے۔ اور بھتیجے کی جگہ چچے کو مقرر کر سکتا ہے اور بعض اوقات بڑے بھائی کی جگہ چھوٹے کو دے سکتا ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جرگے کے سرداران کے خاندان کے سرداروں میں سے ہوں۔ چھوٹے لڑکے اور بھتیجے شاہی گارد میں بھرتی کیئے جاتے ہیں۔ اس طرح شاہ اپنے عقلمندانہ تبادلے اور انتخابات کے ذریعے سے اپنا تسلط قائم رکھ سکتا ہے۔ سرداروں کا تبادلہ ہمیشہ آرام سے نہیں ہوتا۔ وحشی فرقے کے لوگ جو شرطی زمینداری کی دستور کے مانند سست سپاہیوں کیطرح کسی ہر دلعزیز افسر کے گرد جمع ہو رہتے ہیں۔ بعض اوقات اوسے بغیر لڑائی کے عزت سے گرنا پسند نہیں کرتے۔ لیکن آخر شاہ کا حکم غالب آتا ہے اور نیئے سردار کی حکومت شروع ہو جاتی ہے۔ اور جبتک قسمت یاور ہوتی ہے اور شاہ کی مرضی ہوتی ہے جاری رہتی ہے۔

اس کی ایک مشہور مثال جولائی ۱۹۰۲ء میں ظاہر ہوئی۔ جبکہ جہان شاہ خان الیگی جرگہ شاہ سیوند کے افشر والے حصے کی سرداری سے محروم کیا گیا تھا۔ یہ جرگہ اردبل سے طہران تک پھیلا ہوا ہے۔ مشہور نادرشاہ اسی جرگے کا ایک سپاہی تھا۔ اور اوس کی نو آبادی سے تعلق رکھتا تھا جو ترکمانوں کی سرحد پر بسائی گئی تھی سرداروں کی برطرفی کا بڑا باعث یہ تھا کہ اوس نے اپنی بیوی کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالا تھا۔ جو اس کے چچا کے بیٹے رحمت اللہ خان کی بہن تھی جو اس کا حصہ دار اور اختیار میں رقیب تھا۔ جہان شاہ نے بے انصافی سے اسپر بے وفائی کا الزام لگایا تھا اور اوس کے مکان پر جاکر اوس کو باہر بلایا۔ باوجود اس کے کہ وہ قرآن شریف ہاتھ میں لیکر باہر نکلی تاکہ اس مقدس کتاب پر اپنے بے قصور ہونے کی قسم کھائے اوس نے گولی سے مار دی۔

جہان شاہ تب اوس شخص کی تلاش میں گیا۔ جس کے ساتھہ اوس کا ناجائز تعلق ہونے کا شک تھا۔ یہ خبر شاہ کے پاس پہنچائی گئی جو اس وقت عراق میں خیمہ زن تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ جہان شاہ کو معزول کر کے رحمت اللہ شاہ کو جرگے کا الیلگی مقرر کیا جائے۔ اور جہان شاہ کو گرفتار کر کے قیدی کے طور پر طہران بھیجا جاوے حشمت اللہ شاہ مرحوم کا بھتیجا اور علاقہ خمسہ کا حاکم تھا جسمیں شاہ معہ اپنے جرگے کے مقیم تھا۔ اوس کو حکم ہوا کہ شاہ کے اس حکم کی تعمیل کرے

اس معاملے کی بابت بہت سے تار آتے جاتے رہے۔ جہان شاہ کو اختیار اور روپے کے ذریعہ سے سب خبر پہنچتی رہی۔ اور چونکہ اس کے ساتھہ ہزاروں بندوقوں سے مسلح بہت سے جوان تھے اسلئے حاکم کو ہدایت کیگئی کہ بڑی ہوشیاری سے اس کام کو کرنا۔ چنانچہ اس کو حکمت عملی سے کام لینا پڑا۔ اوس نے یہ مشہور کر دیا کہ جرگوں میں ایسے جاتا ہوں کہ ایک سرکش فرقے کو تنبیہ کیجاوے اس لئے اس نے جہان شاہ سے کہا کہ مجھے مدد دو۔ اس سے اوس کو اپنے جرگے والوں کو جمع کرنے کا خوب موقع ملگیا۔ شہزادے حاکم نے اپنے ساتھہ ایکسو سوار اور چار سو پیادے لئے۔ اور اشیائے حرب کا کچھہ خیال نہیں کیا گیا۔ اور بہت تھوڑے سے سامان کے ساتھہ چلدیئے۔

رحمت اللہ حاکم کے ارادے سے بخوبی واقف تھا۔ مگر پردلعزیز سردار کی طاقت اور اختیار کیوجہہ سے اپنے خلاف تیاریوں میں کسی طرح دخل نہیں دے سکتا تھا۔ اسلئے اوسے شاہ کے حکم کی تعمیل کے بارے میں صرف ایرانی فوج پر بھروسا کرنا پڑا۔ وہ سوائے اس کے اور کچھہ نہ کر سکا کہ اوس نے ایک خیمہ لگوا کر اوس میں حاکم اور اس کے ہمراہیوں کا کھانا تیار کرا دیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں حاکم اس سے اور جہان شاہ سے ملنے والا تھا۔ یہاں پہنچکر وہ دونوں معہ چند جرگے کے بزرگوں کے قدیمی رسم کے مطابق حاکم کے راستہ استقبال کو گئے۔ جہاں شاہ نے بڑی عزت

سے گھوڑے پر سے اتر کر سلام کیا اور خیمے کے قریب پہنچکر جس کو اس کے مخالف نے تیار کیا تھا اوس نے اندر جانے اور اس کی دعوت میں شریک ہونے سے انکار کیا۔ اوس نے کہا کہ میں اپنے کیمپ میں جانا زیادہ پسند کرتا ہوں جو کچھ فاصلہ پر تھا اوس کے پندرہ ہزار سوار بھی اوس کی ساتھ چلے گئے۔ حاکم کو معلوم ہوا کہ جہان شاہ خطرناک ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس کے مسلح ساتھی بڑے وفادار ہیں اور تند جنگجو فرقوں کے لوگ اوس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اوس نے ملاقات کرنے کی جگہ پر اسے گرفتار کرنے کی تجویز سوچی تھی۔ لیکن جہان شاہ کے حق میں لوگوں کی قوت اور خیالات کا ایسا زبردست تھا کہ ایسی کوشش نہیں کیجا سکتی تھی۔ اسلیئے اسنے ظاہر الطور پر اپنے آنے کے سبب کا اعلان کرنے کا ارادہ کیا۔ کھانے کے بعد اوس نے جرگہ کے بزرگوں کو جمع کیا اور جہان شاہ کو اپنے سامنے بلایا۔ مگر اس نے آنے سے انکار کیا اسپر شہزادی نے اوس کی معزولی اور رحمت اللہ شاہ کی تقرری کا اعلان کیا اور ساتھ ہی شاہ کا حکمنامہ بھی دکھلا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوسوقت اس نے جہان شاہ کو سخت گالیاں سنائیں اور دوبارہ اوس کو حاضر کرنے کا حکم بھیجا۔ اس اثنا میں وہ سردار اپنے جرگہ کے لوگوں سے مشورہ کر چکا تھا جن کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی۔ اور وہ بندوقوں سے مسلح تھے۔ جب اوس کو معلوم ہو گیا کہ وہ سب اوس کے مددگار ہیں اور اس کے رقیب کی حکومت کے خلاف ہیں۔ اوس نے آزادی سے کارتوس بانٹ دیئے اور حاکم کے ساتھ اس معاملہ میں بحث کرنے کا ارادہ کیا اس نے اپنے بہت سے لوگوں کو کچھ فاصلے پر چھوڑ دیا اور صرف تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوا۔ حاکم نے اوسے شاہ کے حکم کی خبر دی اور کچھ غصے کی باتیں کرنے کے بعد شاہی فرمان دکھلایا اور کہا کہ تم یا کوئی تمہارا ساتھی اس کو پڑھ لے۔ جب ایک بدنگ کاغذ پکڑنے کو آگے بڑھا۔ تو جہان شاہ نے اپنے تمام ساتھیوں کو پیچھے کیطرف اشارہ کیا۔ حاکم

نے اس اشارے سے ڈر کر اپنی گارد کو حکم دیا کہ جہان شاہ کو گرفتار کر لو۔ اتنے میں ایک رعد کی آواز آئی کہ دوڑو دوڑو اوپ مچ گئی۔ جہان شاہ کے بعض آدمیوں نے سپاہیوں کے سر کے اوپر سے گولیاں چلائیں۔ مگر انہوں نے اندھا دھند گولیاں ماریں اور جرگہ والوں میں سے چند آدمیوں کو ہلاک اور زخمی کیا۔ تب جرگہ والوں نے اچھی طرح گولیاں برسانی شروع کیں اور حاکم اور سپاہی جلدی سے بھاگ نکلے۔ سب لوگ بعض پیدل اور بعض گھوڑوں پر اپنی جان بچانیکو بھاگے اور چند خود دشمن اونکا پیچھا کر رہے تھے۔ بعض نوکر اپنے مالک کے ہمراہ رہے اور دو دفعہ جب اوس کا گھوڑا زخمی ہو گیا اوس کو پھر اور گھوڑے پر سوار کیا کہتے ہیں کہ جرگہ والے لوگ شہزادے پر تاک کر گولیاں مارتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے لباس کی وجہہ سے بہت آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ تیسری دفعہ وہ اور اسکا گھوڑا دونوں گر پڑے اسکے دو گولیاں لگی تھیں تب وہ گرفتار کیا گیا۔ کچھ کپڑے اوتار دیئے گئے اور بہت بے عزتی کا سلوک کیا گیا۔ اوس کے کیمپ تک پیچھا کیا گیا جسپر قبضہ کر کے لوٹ لیا گیا اس کے ٣٥ آدمی مارے گئے اور پچاس زخمی ہوئے۔ شہزادے کا ایک زخمی افسر بھی اوس کے ساتھہ پکڑا گیا اور تین روز تک وہ قید رہے۔

اس اثناء میں جہان شاہ اپنی دیوانہ وار تندی سے ہوش میں آ کر اپنے جرم کا خیال کر کے تھرا گیا اور اس بدلے سے ڈر کر جس کو وہ یقینی سمجھتا تھا۔ اس نے اپنا قیمتی اسباب باندھا اور چند ہمراہیوں کو ساتھہ لے بحیرہ خضر کے ساحل کو چلدیا۔ ایک آگبوٹ میں بیٹھکر اوسکا باکو بھاگ جانے کا ارادہ تھا لیکن وہ اسمیں کامیاب نہو سکا۔ کیونکہ ہیضہ کی وجہہ سے روس کے ساتھہ آمد و رفت بالکل بند تھی اسواسطے اس نے شمالی سرحد کے ساتھہ ساتھہ جانے کا ارادہ کیا۔ جب ایک ایرانی رسالے نے اوس کی پیروی کی تو اوس نے اپنا تمام اسباب چھوڑ دیا اور بڑی مشکل سے تبریز پہنچا۔ جہاں اوس کو قاضی القضاۃ کے ہاں

پناہ لینی پڑی۔ آخرکار وہ ایسی حالت میں چھہ مہینے تک زندہ رہکر مرگیا جس کو وہ غالبًا پسند نہیں کرتا ہوگا۔

سنہ ۱۸۹۲ء کے آخیر میں میں تبریز میں تھا جبکہ وہ وہیں تھا۔ مجھسے کہا گیا کہ وہ شخص جو ایک وقت میں افشر کے شاہسوندوں کا موروثی سردار تھا۔ اب بہت غمگین معلوم ہوتا ہے اور ان مجرموں کے گروہ میں تکلیف اوٹھا رہا ہے۔ جو قتل کے بدلے سے بچنے کے لئے پناہ میں آئے ہوئے تھے ہو

جب اس واقعہ کی خبر شاہ کو پہنچی اوس نے خمیسہ اور کاسوین کی پیدل رجمنٹوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اوس کا اثر یہ ہوا کہ جرگہ والے لوگ بکھر گئے۔ سزا دینے کا کام آسان ہوگیا اور نئے سردار کی حکومت جم گئی اس حادثے کے بہت عمدہ سیاسی نتائج نکلے اس سے قاچار بادشاہوں کو اپنی حکمت عملی سے حکمران قبیلوں کو بکھیرنے اور خطرناک فرقوں کی مخالفت دور کرنے اور طہران کی حکومت کا سکہ اچھی طرح بٹھانے کا موقع ملگیا۔ جہان شاہ نے اپنی طاقت کو رفتہ رفتہ بڑھایا تھا اوس نے اپنے اہل جرگہ کے اعلےٰ قسم کے ہتھیاروں کی تعداد بڑھادی اور کارتوسوں کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرلیا۔ اس لئے بلحاظ اوس کی دولت کے بلحاظ اوس کے رسوخ اور ہردلعزیزی کے ضرور تھا کہ اوس کی طاقت کو نہایت خطرناک سمجھا جاتا۔ درحقیقت وہ اپنے تکبر کیوجہ سے اپنے غصہ کو ضبط نہ کرسکا جس نے اوس کی آزادی کو برباد کیا اور اس کی زندگی کا فیصلہ کردیا۔ اہل جرگہ کہتے تھے کہ جس بیوی کو اس نے مارڈالا تھا وہ بالکل بے گناہ تھی۔ چونکہ وہ خود وحشیانہ عادات اور جوشیلے مزاج رکھتے تھے۔ اونہوں نے خیال کیا کہ اوس کو بہت سخت سزا دیگئی تھی اس لئے وہ اسکو گرفتاری اور معزولی سے بچالنے کو اوس کی حمایت میں کھڑے ہوگئے۔

جیسا کہ چار سو سال پیشتر انگلستان میں ہوتا تھا ایسے ایران میں ہر ایک مسجد جائے پناہ ہے۔ قاضی القضات کے گھر میں بھی پناہ ملجاتی ہے۔ یہ پناہ

کا حق تمام ایران میں رائج ہے۔ لیکن اس سے کچھ مدت تک فایدہ اٹھانے کے لئے روپے کی بہت ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر انکیسی مدد نہ پہنچے یا جو کچھ پاس ہو وہ ختم ہو جائے تو بھوک اوس کو باہر نکلنے پر مجبور کر تی ہے پناہ کی حالت میں مصالحت یا کوئی اور انتظام ہو سکتا ہے جس سے وہ سزا سے بچ جائے۔ یا تو رشتہ دار فدیہ ادا کر دیتے ہیں یا ضمانت دے دیتے ہیں یا معاوضہ دینے کا فیصلہ ہو جاتا ہے ایک الضاف ظلم یا بدلے کا مفرور اکثر کسی غریب کے بڑے آدمی کے گھر میں پناہ ڈھونڈھتا ہے جسکے گھر میں پیچھا کرنے والے بغیر چند رسوم کے داخل نہیں ہو سکتے اس سے مطالبات یا الزامات کا جوابدینے یا بھاگ کر کسی زیادہ امن کی جگہ جانے کا موقع ملجاتا ہے +

طہران میں ایک بہت بڑی توپ ہے جسکی بابت یہ مشہور ہے کہ اسکو نادرشاہ دہلی سے لایا تھا اور اوسکا نام موتی توپ ہے کہتے ہیں کہ جب یہ دہلی کو شاہی سامان میں رکھی ہوئی تھی تو اس کے منہ کے قریب ایک موتیوں کا ہار لٹکا یا ہوا تھا۔ غالباً یہی بات ہو گی کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ بڑی بڑی توپوں کی اس قدر عزت کیجاتی تھی کہ تقریباً اوس کو معبود سمجھا جاتا تھا۔ شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے توبچی توپوں کو سلام کیا کرتے تھے۔ اور اون کی نالیوں میں چمپک کے پھولوں کے ہار ڈالا کرتے تھے۔ جو کہ مندروں اور تیوہاروں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ موتیوں کی توپ ایک اچھی جگہ میں شاہی محل کے قریب رکھی ہوئی ہے اور ہمیشہ سے اوس کو کسی حد تک مقدس سمجھا جاتا ہے اور جو شخص اوس کو چھو کر اوس کے قریب کھڑا ہو جائے وہ پناہ کا حقدار ہو جاتا ہے ۔

مجھے یاد ہے کہ تین سو پیدل جوانوں کی ایک رجمنٹ نے جو اپنے کام میں غیر حاضر تھی اور اس لئے قابل سزا تھی۔ کرنیل پر یہ شبہ کر کے کہ شائد وہ تنخواہیں ضبط کر لے اوس کے گھر پر حملہ کیا اور پھر توپ کے پاس جا کر پناہ لی۔ اوس کے نوکروں کو وقت پر خبر ہو گئی اور انہوں نے صحن کا دروازہ بند کر لیا جب

سازش کنندے اندر داخل نہو سکے تو انہوں نے دروازے پر پتھر مار کر
اور کرنیل کی گاڑی کو توڑ کر اپنا غصہ نکالا - اس طرح بہت ہلچل مچ گئی
اور بہت افواہیں پھیل گئیں تب وہ موتی توپ کیطرف چلدیئے - اور زور
سے چلا کر اپنی شکائتیں بیان کرنی شروع کر دیں - چلانے کی آواز محل
شاہی میں پہنچی - اس طرح شاہ ناصر الدین کو سب باتیں معلوم ہو گئیں
اور سپاہیوں کی شکائتوں کو رفع کر دیا - کرنیل کے خلاف ایک الزام
یہ تھا کہ اوس نے لوگوں کو روپیہ قرض دیکر ناجائز طریقوں پر اون کی
دیہاتی زمینوں پر قبضہ کر لیا ہے - کیونکہ وہ اسی ضلع کا زمیندار ہے
اور اپنے مقبوضات کو بڑھانا چاہتا ہے - یہ علاقہ لارجانٹ کی رجمنٹ
تھی - ایک انگریز نے جو کہ طہران میں رہتا تھا اور اوسکا نام لاری جانی
مشہور ہو گیا ہے کہا یہ تمام واقعہ آئرلینڈ کے واقعات سے مشابہت
رکھتے تھے -

باب ۵

ایران کی جنگی طاقت کا ایک بڑا حصہ جنگجو خانہ بدوشوں پر مشتمل ہے - اور
شہنشاہ کی ہمیشہ یہ حکمت عملی رہی ہے کہ وہ ان کے ساتھ ذاتی تعلقات
پیدا کرے - تاکہ ہر ایک جگہ اوس کو اپنا اعلیٰ حاکم سمجھے اس حکمت عملی کو
چلانے کے واسطے شاہی گارد کو جس کو غلام شاہ کہتے ہیں اور جو گھر پر
اور سفر میں بادشاہ کی حفاظت کرتی ہے - نہایت عمدہ لڑنے والی جرگوں
کے سوار شامل کیئے جاتے ہیں - یہ سلطنت کے تمام حصوں سے آتے
ہیں - ان کے افسر اور سردار بڑے بڑے بارسوخ خاندانوں میں سے
ہوتی ہیں - تاکہ وہ سرداروں کی وفاداری اور نمک حلالی کے کفیل رہیں

وقتاً فوقتاً سب بدلتے رہتے ہیں۔ اس طرح ایک تھوڑی سی خدمت کا انتظام جاری ہے۔ تاکہ جہانتک ہو سکے بہت سے لوگوں کو شاہی گارد میں خدمت کرنیکا موقعہ مل سکے ۔

لفظ غلام ہمیشہ سے شاہی گارد والوں کے واسطے استعمال کیا جاتا رہا ہے ہر شخص جس کو گارد میں شامل ہونے کی اجازت ملجاتی ہے۔ غلام شاہ کا قابل رشک لقب کا دعوے کرتا ہے۔ یہ گارد بہت پرانے زمانے کی ہے اور اسمیں ذکر ہونا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے بادشاہ کی توجہ حاصل کرنے اور اس کی عنایتوں سے مستفید ہونیکا موقعہ ملتا ہے۔ بادشاہ سکنگین جسنے دسویں صدی میں حکومت کی ہے کہتے ہیں کہ شاہی گارد ہی سے ترقی کی تھی۔

طہران کے اجنبی سفیروں کے نامہ بر سب غلام کہلاتے ہیں۔ یہ لقب نہائیت عزت کے طور پر قبول کیا جاتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ایک نہائیت دلیر اور معتبر گھوڑ چڑھا۔ نوکر جو موت تک ان حقوق کو بچانے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے سپرد کیئے جاتے ہیں۔

گارد کی کل تعداد بارہ سو پچاس ہے جنمیں سے دو سو ایلائیٹ ہیں جن کو غلام پیش خدمت کہتے ہیں۔ ان میں سے اکثر فرقہ قاجار میں سے ہیں خود بادشاہ اسی قوم سے ہیں۔ جسکا اظہار وہ نہائیت عام طور پر کرتا ہے۔ اور اس طرح اوس کے فرقے کا ہر ایک آدمی بادشاہ کا ہم فرقہ ہونے کا فخر کرتا ہے یہاں میر امطلب شاہی مہر سے ہے۔ جسمیں لکھا ہے۔ ناصرالدین شاہ قاجار یہ اعلیٰ درجہ کی گارد والے نہائیت شریف سمجھے جاتے ہیں اور اون کو شریف گھوڑ چڑھے کہا جائے تو بجا ہے۔ دستور کے موافق اونکا دربار اور محل کی نوکریوں کا حق ہے۔ مثلاً دربان۔ دوارپال قاصد وغیرہ اون کی خدمات تاحیات اور موروثی ہوتی ہیں۔ بیٹا باپ کی جگہ مقرر ہوتا ہے اون کے گھوڑوں کا ساز و سامان عجیب طرح کا ہوتا ہے۔ گردن کے تسمے سینہ کی تختیاں اور سروں کے سنگار سب چاندی کے ہوتے ہیں۔ باپ کے بعد بیٹا

اُن کا مالک ہوتا ہے اور یہ چیزیں وراثت کی نہائیت عمدہ اشیاء بن گئی ہیں۔ شاہ اپنی گارد کے اعلےٰ درجہ کے جرگہ والوں کا بہت لحاظ کرتا تھا۔ اوس کی عمدہ خصلتیں بطور ایک بادشاہ کے جس کو خانہ بدوشی کی زندگی سے دلچسپی ہو۔ خیمے میں رہنے کو پسند کرتا ہو اور تمام اپنے اردگرد کے لوگوں سے واقفیت رکھتا ہو۔ ایک فوجی معائینے کے وقت میں خوب اچھی طرح ظاہر ہوئیں جو میں نے چند سال ہوئے طہران میں دیکھا تھا۔ یہ معائینہ ایک خاص قسم کا تھا۔ جو سویڈن کے افسروں کی تشریف آوری کی تقریب میں ہوا تھا۔ یہ افسر ناروے اور سویڈن کے بادشاہ اوسکار ثانی کی طرف سے شاہ ایران کے واسطے سرافین کا اعلیٰ تمغہ لیکر آئے تھے۔ جہانتک ممکن تھا بہت سی فوجیں اردگرد کے اضلاع سے اون میں شامل ہونے کو طلب کیگئیں۔ شاہی گارد کے بہت سے سپاہی جمع ہو گئے۔ جب وہ پاس سے گذر رہے تھے تو شاہ معظم آگے بڑھے تاکہ ذرہ قریب ہو جائیں اور ہر دستہ کیطرف مخاطب ہو کر اور ہر ایک کمانیر کا نام لیکر بہت تعریف اور خوشی کے کلمات کہے۔ اُن لوگوں کو اس طرح بذات خود جاننے اور اُن کے افسروں سے واقفیت کی وجہ سے اون میں ایک خوشی کی بھنبھناہٹ سی پیدا ہو گئی۔

اوسوقت بختیاری گھڑ ‌ سواروں کی چالاک تشکل کیطرف خاص طور پر توجہ مبذول ہوتی تھی۔ ایرانی تماشبین ان پہاڑی سواروں پر اپنا فخر اسطرح ظاہر کرتے تھے "یہ آتے ہیں بختیاری" وہ اپنی گول نمدے کی ٹوپی کنارہ دار ٹوپیوں کی وجہ سے بہت آسانی سے توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتے تھے گذرتے وقت اون کی صف خوب سیدھی رہتی تھی۔ بختیاری تمام جنگجو جرگوں میں سے شمار اور طاقت میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں اور سواری اور پیادہ دونوں طرح کے فنون جنگ میں مشہور ہیں۔ ایران میں اونکی نسل نہائیت قدیمی ہے اور قریباً قرن سے لورستان کی پہاڑیوں پر اونکا قبضہ ہے۔ باقی سب جنگی فرقوں کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان سے

لبد کے ہیں اور دوسرے ملکوں کی نسلوں میں سے ہیں۔ جیسے عربی شامی ترک۔ تاتاری۔ بہت سے اچھے اچھے لوگوں سے جن کو جانچنے کا بہت موقعہ ملا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم سپاہیوں کا ایک نہایت عمدہ ذخیرہ ہے ؂

میں شاہ کے وزیر اعظم سے ایک بختیاری بلٹن کے نادر شاہ کے ماتحت قندھار فتح کرنیکا ایک نہایت پر تعریف بیان سنکر بہت محظوظ ہوا جبتے ان کے پہاڑی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد اون کو افغانستان اور ہند کے خلاف اپنے ساتھ ہو کر لڑنے پر آمادہ کر لیا۔ وزیر نے بیان کیا کہ ایکدفعہ ایران کی فوج قندھار کو یک لخت فتح کرنے کی کوششوں میں ناکام رہی۔ شام کے وقت جبکہ سب آرام کر رہے تھے۔ بختیاریوں کے ایک دستے نے حملہ کر کے شہر کے بچاؤ کی ایک ایسی جگہ لے لی جس کو وہ دن کے وقت فتح نہیں کر سکتے تھے۔ فتحمندوں کی آوازوں نے سوئے ہوئے حملہ آوروں کو جگا دیا۔ نادر شاہ نے فوراً اس کامیابی کو غنیمت جانکر حملہ کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

ان خانہ بدوش جرگوں کا بیان ختم کرتے ہوئے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ اپنے آپ کو مقیم باشندوں سے بہت اعلےٰ خیال کرتے ہیں اور اپنا فخر اس مثل میں ظاہر کرتے ہیں خیموں کا ایک آدمی قصبے کے دو آدمیوں کے برابر ہوتا ہے ؂

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ شاہ جس کو چاہے ادنےٰ سے ادنےٰ درجے سے اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ تک پہنچا دے۔ مگر جنگی فرقوں کے بارے میں اوسکا یہ حق محدود ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اون لوگوں میں جمہوری سلطنت کا خیال موجود ہے جسکی وجہ سے وہ خوش ہو کر ایک نہایت ادنےٰ درجے کے آدمی کو بادشاہ تسلیم کر لیتے ہیں۔ مساوات معاشرت جیسے اسلام سب کے لئے منظور کرتا ہے اس نے ایرانیوں کو ایک سردار یا بادشاہ کے منتخب کرنے کے بارے میں کوئی نئی بات نہیں سکھائی۔ جو لوگ اختیار

کی جگہ پر مقرر ہونے کو حکمرانی کا حق سمجھتے ہیں وہ اس کے خاندان کی کچھہ پرواہ نہیں کرتے۔ درحقیقت ان میں مشہور ہے کہ ایسے آدمی کی شہرت اسیقدر زیادہ ہوگی جسقدر کم درجہ سے وہ ترقی کریگا۔ ان کو معمولی درجے کے کئی ایسے آدمیوں کی مثالیں یاد ہیں جنہوں نے قوم کو ہیتناک ظلم اور ذلیل کرنے والے اجنبیوں کے پنجے سے چھڑا کر ترقی کے معراج کو پہنچا دیا ہے۔ وہ قواع لوہار کا حوالہ دیتے ہیں جو بے رحم غاصب بادشاہ ضحاک کے خلاف سازش کا سرگروہ تھا۔ اوس نے اپنی لبھاطی کو اپنا جھنڈہ بنایا اور آخرکار اُسے تخت سے اوتار کر قتل کر دیا اور خاندان پیش دادیان کے شہزادے فریدون کو اوس کی جگہ بٹھا دیا۔ جہاں وہ خود بیٹھ سکتا تھا۔ یہ لوہار کی لبھاتی سالہاسال تک شاہان ایران کا جھنڈا بنی رہی۔ نوئیں صدی میں یعقوب بن لیث جس کو صفادی کہتے ہے۔ کیونکہ بچپن میں وہ برتن بنانے کا کام کیا کرتا تھا۔ محض اپنی اخلاقی قوت اور دلیری سے بادشاہ بنگیا تھا۔ وہ اخیر زندگی تک لوگوں کا طرفدار رہا۔ اور اپنی عادات کی سادگی کے واسطے مشہور تھا۔ اوس نے اپنے نام کے ساتھہ اپنے پیشے کا نام صفاری شامل رکھا۔ اور کبھی بے رحمی یا ظلم کا مرتکب نہیں ہوا۔ دسویں صدی میں جب سبکتگین ایک سپاہی کی حالت سے ترقی کر کے بادشاہ ہوگیا ہم دیکھتے ہیں کہ اوسوقت انتخاب کے قاعدے کو وراثت پر ترجیح دیجاتی تھی اور اسپر عمل کیا جاتا تھا اور قوم نے اسے قبول کر لیا تھا۔ اوس کے انتخاب کی وجہ یہ تھی۔ کہ اوس نے سلطنت کو ہندوستان تک پھیلا کر ایران کی فوج کا بول بالا کیا تھا اور نیز اوس کے بیٹے محمود نے بہت سی فتوحات حاصل کی تھیں جو اپنے والد کے بعد تخت نشین ہوا۔ اور سلطنت کو اور بھی بڑھا دیا۔ یہانتک کہ بغداد سے کاشغر تک۔ جارجیا سے بنگال تک اور کسر سے گنگا تک پھیل گئی۔

جب ملک افغانی حکومت سے تکلیف اوٹھا رہا تھا اوسوقت معمولی لوگوں میں سے ایک شخص نادر قلی تھا۔ جسنے ظالم کو برطرف کرتے اور ایران کو

آزاد کرنے کا خیال کیا۔ پیشتر وہ قبیلۂ افشر کا ایک معمولی سپاہی تھا۔ اوس
نے اپنی بہادری اور جرأت کی بدولت ترقی کی اور شاہی امرا اور سپہ سالار
کی تعریف کا اپنی کامیابیوں کو تاج پہنایا اور جب شاہ طہماسپ کا معصوم بچہ
عباس ثالث مر گیا تو امراء نے اسے اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ اب اوس نے
ظالموں کے خلاف جنگ کی اور دریائے اٹک سے دہلی تک اپنا سکہ بٹھا دیا۔
جہاں سے وہ اپنے ساتھ بہت سی لوٹ مار لایا جو آجتک ایرانی تاج کی
حفاظت اور زیبائش کا باعث ہے۔ اسی بات سے نادر شاہ کی اخلاقی جرأت
ظاہر ہوتی ہے۔ کہ اگرچہ وہ اسقدر اعلے عہدے پر پہنچ گیا تھا۔ تاہم اوس
نے خوشامدیوں کو اپنے خاندان کی دھندلی تاریکی سے بڑے بڑے بزرگوں
کا پتہ نہیں لگانے دیا۔ اوس نے اپنی خاندانی برتری پر کبھی فخر نہیں کیا
برخلاف اس کے وہ اکثر اپنی غریبانہ پیدائش کا ذکر کیا کرتا تھا۔ ہمیں معلوم
ہے کہ اوسکا خوشامدی مورخ بھی انہیں کلمات پر اکتفا کرتا ہے کہ ہیرے
کی قیمت اوس کی اپنی چمک پر منحصر ہوتی ہے۔ نہ کہ چٹان پر جس میں وہ
پرورش پاتا ہے۔ اس مشہور و معروف آدمی کی خصلت کی بابت ایک
حکایت بیان کیجاتی ہے کہ جب اس نے اپنے مغلوب دشمن محمود شاہ بادشاہ
دہلی سے کہا کہ اپنی لڑکی کی شادی میرے بیٹے نصراللہ سے کر دو۔ تو اس نے
جواب دیا کہ تیمور کے شاہی گھرانے کی شہزادی سے شادی کرنیوالے کے لیے
ضروری ہے کہ سات پشت کی خاندانی پیش کرے۔ نادر نے کہا کہ اس سے
کہو کہ نصراللہ بیٹا ہے نادر شاہ کا اور پوتا ہے تلوار کا اور پڑپوتا ہے تلوار کا
علی ہذا القیاس سات چھوڑ ستر پشتوں تک شمار کر لے۔ نادر شاہ جو کہ چست
اور مضبوط آدمی تھا۔ کمزور و سست محمد شاہ سے بہت نفرت کرتا تھا۔ اوسوقت
کے ایک دیسی مورخ کا بیان ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دلربا کو بغل میں اور آئینہ
ہاتھ میں رکھتا تھا۔ وہ نہایت ہی ادنے درجے کا عیاش تھا اور محض ایک
کٹ پتلا بادشاہ تھا۔ اخیر میں بے اعتباری سے اوسکا دل ایسا سخت ہو گیا
کہ وہ ایک وحشی غارتگر اور قاتل بن گیا اور قتل سے اوس کی زندگی کا خاتمہ

ایرانی کہتے ہیں کہ اوس نے نجات سے شروع کیا اور تباہی پر ختم کیا۔

ایرانی لوگ خوش مزاج اور صافی الوہم ہوتے ہیں اس میں شک نہیں کہ یہ اوصاف او نچے بلند میدانوں کی خشک اور صاف ہوا کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں جو رنج و غم کو دور کر دیتی ہے اور مذاق سے خوش ہوتے ہیں اور بہت زور سے ہنستے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ بہت چیزوں میں خوشی کے سامان ہیں۔ جب کبھی کوئی دلچسپ بات بیان کیجاتی تو شاہ مرحوم بہت جلدی خوشی اور پسندیدگی کے آثار ظاہر کرتے۔ نوروز کے دربار میں تمام سفراء کو ایک نیم دائرے میں کھڑا کیا جاتا۔ جنمیں سب سے اول ٹرکی سفیر ہوتا تھا۔ جب سلطان کا سفیر تقریر مبارکباد ختم کر چکتا تو شاہ معظم آگے کو بڑھتے اور آہستہ آہستہ ہر ایک سے چند باتیں کرتے ہوئے پھیرتے ہوئے آگے سے گذر جاتے جب کسی ایسے شخص کو فارسی میں باتیں کر سکتا ہے تو ان کا چہرہ روشن ہو جاتا تھا سے ہم کلام ہوتے جسکو وہ جانتے ہوتے۔

ایک موقعہ پر عثمانی سفیر سے گفتگو کرنے کے بعد وہ ایک ایسے وزیر کی طرف بڑھے جو فارسی زبان کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ عثمانی سفیر ہمیشہ فارسی زبان میں بہت بڑا ماہر ہوتا ہے۔ کیونکہ طہران کی سفارت کے واسطے فارسی زبان لازمی ہے اس کے بعد ایک اور زبان کے علامہ کے قریب آئے۔ اور جب دیکھا کہ میں ایک نہایت مشہور اور جالاک ایلچی کے سامنے کھڑا ہوں تو خوشی سے مسکرا کر کہا کیا تم نے کچھ فارسی سیکھ لی ہے۔ ایلچی نے نہایت سنجیدہ شکل بنا کر جواب دیا کہ "بلے چیزے میدانم" اسکا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی سی جانتا ہوں۔ لیکن لفظ چیزے سے انگریزی کی طرح یہ مطلب بھی ہوتا ہے کہ ایک چیز یا دو چیز ایک ایلچی کے منہ سے ایسے فقرے کا نکلنا نہایت موزون تھا اس لئے شاہ معظم ہنس آئے اور بہت خوشی ظاہر کی ۔

ذیل میں سر چیز کا خوشی کا پہلو لینے کی ایک مثال بیان کیجاتی ہے۔

مگر یہ مثال کچھ افسوسناک بھی ہے۔ ایک شہزادے نے جو کسی علاقہ کا حاکم تھا۔ ایک فیصلہ میں ایک سوداگر کو حکم دیا کہ پچاس تومان جرمانہ ادا کرو۔ لیکن اگرچہ وہ مشہور دولتمند تھا۔ اوس نے کہا کہ میں یہ جرمانہ ادا نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اتنی رقم تو مینے کبھی دیکھی بھی نہیں اور التجا کی کہ مہربانی کرکے رحم کیجیئے اور کوئی اور سزا تجویز کیجیئے۔ تب حاکم نے کہا کہ یا تو پچاس کچے پیاز کے گٹھے کھاؤ یا پچاس بید کھاؤ۔ یا پچاس تومان جرمانہ ادا کرو۔ ایرانی لوگ پیاز بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ سوداگر اس طرح اپنا روپیہ بچتا ہوا دیکھکر بہت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ یہ سزا محض ناواقفیت سے تجویز کیگئی ہے اسلیئے اُسنے اپنے خوشی کے خیالات کو چھپا کر خوف کا اظہار کیا۔ اور پیاز کھانا پسند کیا۔ اوس نے بڑی کوشش کی مگر آدھے سے زیادہ نہ کھا سکا۔ تب اوس سے جرمانہ مانگا گیا۔ لیکن اوس نے اب پچاس بید کھانے پسند کیئے۔ جب پچیس بید لگ چکے تو چلا کر کہنے لگا۔ کہ میں پچاس تومان جرمانہ دونگا اب مت مارو۔ اسپر اوسے کھولدیا گیا۔ اور شہزادے نے کہا کہ تم ایسے بیوقوف ہو کہ تمہیں تین سزاؤں میں سے ایک پسند کرنیکا اختیار دیا گیا تھا۔ مگر تم نے تینوں کو برداشت کیا۔

ایرانی نوکر اپنی تنخواہ کو صرف نوکر رہنے کی فیس سمجھتے ہیں اور بالائی آمدنی کو اصلی تنخواہ سمجھتے ہیں وہ ادہر اودہر کی چیزیں خریدنے کے بہانے بنانے میں بہت چالاک ہوتے ہیں وہ اسواسطے نہیں خریدتے کہ ان کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ اسواسطے کہ اون کو خورد برد کا موقع ملجائے ایک نئے جمعدار نے اپنے مالک کے اردگرد دیکھا تو معلوم ہوا کہ اب نئی خرید کرنے کا کوئی موقعہ نہیں ہے تو اوس کی نظر مرغیوں پر جا پڑی جو تازہ انڈوں کے واسطے رکھی ہوئی تھیں۔ تاکہ بازار سے پرانے نہ خریدنے پڑیں اوس نے کچھ گندے انڈے لاکر مرغی خانے میں رکھدیئے۔ جب اون کی حالت کھانے کے وقت معلوم ہوگئی تو اوس نے کہا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مرغیاں بوڑھی ہوگئی ہیں اور بوڑھی مرغیاں بعض اوقات

گندے انڈے دیدیا کرتی ہیں۔ اسلیئے یہ بہتر ہوگا کہ ان کو بیچدیا جائے مگر نوجوان مرغیاں جو تازہ انڈے دیتی ہیں خرید کر رکھی جاویں ◆

یہ سچ ہے کہ نوکر اپنی فرصت کا وقت اچھی طرح نہیں گذارتے۔ مگر اون کے بعض خیالات اور تفکرات نہائیت عمدہ ہوتے ہیں۔ یہ اون کے گانے والے پرندوں سے محبت کرنے اور بانکا لباس پہننے سے ظاہر ہے کیونکہ اون میں سے بعض کوٹ کی قطع اور ٹوپی کی چستی کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ میں اونکو بعض اوقات بڑی ہوشیاری سے بلبلوں کی خبر گیری کرتے ہوئے۔ پنجرے صاف کرتے ہوئے اور ان کو رنگا رنگ چیتھڑوں اور موسمی پھولوں سے آراستہ کرتے ہوئے دیکھکر بہت محظوظ ہوتا تھا نومبر میں میں دیکھتا تھا کہ ایک درجن پنجرے اس طرح صاف کیئے ہوئے معہ ایک ایک بلبل کے گھر کے صحن میں دھوپ میں رکھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور جب مینے اسطرح پنجروں کے جمع ہونے کی وجہہ دریافت کی تو ایک شخص نے اس خیال سے کہ شائد میں اون کے اوہام پر ہنسوں شرماکر کہا کہ قریب کے گھر میں چائے کی دعوت ہے ان پنجروں کے مالک معہ اون کے وہان جائینگے اور گانے والے پرندوں کی محفلیں گھروں کے تہ خانوں میں ہوتی ہیں جو سردیوں میں گرم ہوتے ہیں اور گرمیوں میں سرد۔ جب میں ان پرندوں کے ایک گروہ کا خیال کرتا ہوں جب وہ ایک نیم تاریک جگہ میں رکھے جاتے ہونگے۔ جنمیں کلیاں کی چلموں کی آگ دھیمی سی روشنی ڈال رہی ہوں گی حقے کا پانی بڑبڑاتا ہوگا اور پاس ہی سماوار میں چائے اُبل رہی ہوگی تو میں یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ یہ سب چیزیں اون پرندوں کو یقین دلا دیتی ہونگی کہ رات کا وقت ہے جو موسم بہار میں گانے کا وقت ہوتا ہے ◆

ایرانی شاعروں نے اپنی دنیاوی خوشیوں کے گیتوں میں بلبل کا بہت ذکر کیا ہے۔ بلبل جس کی بابت وہ لکھتے اور گاتے تھے۔ وہی یورپ کی شب راگن ہے۔ جو موسم بہار میں ایران پہنچکر گاتی۔ محبت کی

اور گھونسلا بناتی ہے۔ یہ جنوب میں شیراز تک پہنچ جاتی ہے۔ جہاں یہ ہندوستان کی چھوٹی سی بلبل سے ملتی ہے۔ جیسے اکثر لوگ غلطی سے ایرانی شاعروں کی گانے والی بلبل سمجھتے ہیں۔ لفظ بلبل ایران اور ہندوستان میں دونوں پرندوں کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اون کی شکل رنگ اور آواز میں بہت فرق ہے۔ یہ دونوں شیراز میں اکٹھی ہوتی ہیں جہاں کی آب و ہوا ایسی معتدل اور ایک سی ہوتی ہے کہ مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے پرندے اور بیل وہاں جمع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہاں میں نے ہندی بلبل۔ ہوپو۔ پوربی شب راگن۔ کویل۔ اور مینا کو دیکھا ہے اور ان کو بولتے سنا ہے۔ اور وہاں سیب سے لیکر کھجور تک میوے پیدا ہوتے ہیں۔

بالتو گانے والے پرندوں میں سے شب راگن (پوربی بلبل) بہت عزیز ہے۔ یزد کے قریب محبت آباد کے ایک باغ میں پھول توڑنے والے لڑکوں نے اون کو پال لینے کی خاطر پکڑنے کی ترکیب مجھے بہت اچھی طرح سمجھا دی صحرائے یزد کے اس سبزہ زار میں دو بڑے بڑے باغ ہیں۔ جہاں گلاب اور عطر بنایا جاتا ہے جب پوربی بلبلیں اپنے بحیرہ خضر کے ساحل کے موسم گرما کے جنگلوں سے موسم بہار میں واپس آتی ہیں تو انہیں باغوں میں رہتی ہیں۔ ایرانی شاعر گلاب کے پھولوں سے بلبل کی محبت کا ذکر کرتے ہیں اور خیالی گفتگو کے پیرائے میں بیان کرتے ہیں کہ پھول اپنی عاشق بلبل کی شکایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بلبل ہماری خوشبو اور خوبصورتی کو بار بار چومنے سے خراب کر دیتی ہے۔ اور ایک حسرت انگیز جلدی سے ہم مرجھا جاتے ہیں۔

لڑکوں نے ان پرندوں کے جوڑوں۔ گھونسلوں انڈوں کی تعداد کا ذکر کیا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نوجوان نر پرندوں کو جب وہ پہلے پہل گھونسلا چھوڑنے کو ہوتے ہیں۔ پکڑ لاتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے کھلاتے پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ خود کھانے کے قابل ہو جاتے ہیں قفسے میں نوجوان

پرندوں کی تربیت الگ ہوتی تھی۔ جو ایران میں حبس کی حالت میں بہت اچھا
گالیتے ہیں۔ بلبل، چنڈول، پرندہ شاطر و کا ذکر بہی ایسا کرتا ہے۔ دو کا بدلہ پرندوں
کو اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں۔ گھونسلے بنانے کے موسم میں وہ تمام بازاروں
میں ان ساتھیوں سے جن کو وہ اپنی عقل و دانائی سے جانتے ہیں کہ
قریب ہیں مگر مل نہیں سکتے بڑا ہی شیریں نوائی سے گالیتے ہیں۔

شیر و خورشید کے تری نشان کی اصلیت کی بابت کی عام لوگوں میں ایک
نہایت دلچسپ داستان مشہور ہے اسکی بابت مفصلہ ذیل قصہ مجھ سے
طہران کے ملک سالتی دستے بیان کیا تھا۔ وہ ایران کی تواریخ ادب اور شاعری
میں بہت ماہر تھا اور بولتے وقت اس سے خوبی ظاہر ہوتا تھا۔ پانچ ہزار
برس پیشتر جب ہرمزد نے ترک کی سلطنت کی بنیاد ڈالی تو سورج برج
اسد میں تھا جب سے اونچی ہے اسلئے شیر کو ایران کا نشان بنایا گیا مگر
اس وقت تک ایسا ہی رہا۔ جب سورج کو شیر اوس کے اوپر لگایا گیا۔ اس
بات کو ہزار سو برس کا عرصہ گذرا ہوگا۔ غزن خان کو جو اس وقت کا بادشاہ
تھا اپنی بیوی سے اسقدر محبت تھی کہ اس نے سکوں پر اوسکا نام کندہ
کروا کر ہمیشہ کے لئے اس کی یادگار قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ملاؤں نے
عورت کے نام کو سکے پر کندہ کرنے کی تجویز پر اعتراض کیا۔ اس لئے اسنے
شاہی جھنڈے میں شیر کا دیا ایک نکلتے ہوئے سورج کی تصویر بنوا کر
اپنی بیوی کا چہرہ اوس میں کروا دیا۔ جیسا کہ آجکل ایران کے مشہور شاہی
ہتھیاروں پر دیکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شاہ غزن کو اپنی بیوی خورشید کی
ایسی محبت تھی کہ وہ اسے شمع غزن کہا کرتا تھا۔

شاید لفظ خورشید کلاہ کی بھی اصلیت ہو۔ میں نے پڑھا ہے کہ یہ لفظ ایک
شہنشاہ کے واسطے استعمال ہوتا تھا۔ لیکن چونکہ بالوں کے آراستہ
کرنے کی طرز اور چہرے کے نقش جو سورج کی تصویر میں دکھائے گئے ہیں
عورت کے سے ہیں اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب صرف ملکہ کو دیا جاتا تھا
روس کے کیتھرائن ثانی نے اپنے دربار کی شان و شوکت اپنی خوبصورتی اور

اعلیٰ ہمت اور اپنی محبت اور جنگ کی وجہ سے ایران میں خورشید کلاہ کے لقب سے مشہور تھی اور اب بھی اسی لقب سے یاد کیجاتی ہے

میں یہاں ایک مسلمان بادشاہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جسنے نہایت شاہانہ طریقے سے اپنی بیوی کا نام سکے پر کندہ کروا کر اپنی محبت لوگوں پر ظاہر کی شہنشاہ جہانگیر کی سلطنت خاصکر اسواسطے مشہور ہے کہ اوس کی شہزادی نورجہاں بیگم کا اوسپر بہت اثر تھا۔ جسکی تعریف میں سرجان مور نے نظم (لالہ رخ) لکھی ہے یہ بادشاہ اکبر اعظم کا بیٹا تھا جسنے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنا رکھی۔ اور آگرہ بسایا۔ سکہ نورجہاں کے نام پر چلتا تھا۔ اور ہمنے سنا ہے کہ سلطنت کا تمام انتظام اوسی کے ہاتھ تھا وہ پنجاب کے دارالخلافہ لاہور میں اپنے خاوند کے پاس مدفون ہے ؀

غزن خاں کے ایران کے تخت پر بیٹھنے کا مسئلہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ وہ چنگیز خان کی نسل میں سے ایک مغل سردار تھا۔ وہ اپنے بادشاہ خاقان کیطرف سے ایران کا حاکم تھا۔ اوس کے ماتحت ایک لاکھ وفادار تاتاری جوان تھے۔ اسوقت ایران کے لوگ مسلمان تھے۔ اس سے کہا گیا۔ کہ مسلمان ہو کر آزاد ایران کا منتخب بادشاہ بن جا۔ اس نے اپنے سرداروں سے صلاح کر کے مسلمان ہونے اور بادشاہ بنجانے کا فیصلہ کیا اوس کے ساتھ اوس کے ایک لاکھ سپاہیوں نے بھی اسلام قبول کیا نتیجہ مسلی تاتاری سپاہیوں کے جوش کو دیکھکر اپنے سردار کیساتھ اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے اور بہت جلدی عملی طور پر اوس دین کے حامی بن گئے جس کو انہوں نے اسقدر اچانک قبول کر لیا ؀

ہم خیال کر سکتے ہیں کہ علماء کو اسوقت کیقدر خوشی ہوئی ہوگی جب وہ ان تاتاریوں کی گھنی صفوں کے درمیان سے گذرتے ہوں گے جن کو زمانہ نے سخت گردانا تھا۔ جو موسموں کی سختیوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے اور جن کے ہاتھ میں نیزہ اور کمان تھے۔ یہ لوگ ۷ اجون سنہ ۱۲۹۵ء کو فیروزکوہ پر قواعد کر رہے تھے۔ جہاں یہ اسلام کا اقرار کرنے کو جمع ہوئے تھے۔ اور مسلم

واسطے عربی الفاظ بکثرت زور مشکل ہوگا یہ بڑی آسانی سے خیال میں آ
سکتا ہے کہ ان لوگوں نے جنہیں کہانی ہوں گی کہ جو بات ہمارے سردار
کے واسطے مفید ہے وہ ہمارے واسطے بھی ضرور مفید ہوگی۔ اور جو کچھ وہ
کرے ہم بغیر کسی زیادہ رسم و رواج کے کرنے کو تیار رہیں۔ اس وقت اسلام
اپنی طرف سے پہلے پہیر جیسا کہ پیشوا تھا۔ یہ بزم کلام اور تیز تلوار کے
زور سے پھیل رہا تھا۔ تو ایسے موقعہ پر ملاؤں نے بہت فخر کیا ہوگا کہ
چنگیز خانی کے ایک شاندار گروہ دین کی مدد میں شامل ہوئے جسکی وجہ
سے بہت فائدہ پہنچا تھا۔

چنگیز خان کی نسل میں غزن خان پہلا بادشاہ تھا جسنے تاتاریوں کی حکومت
کے جوئے کو اپنی گردن سے اوتار پھینکا اور حکم دیا کہ تاتاری بادشاہ کا نام
ایرانی سکوں پر کندہ نہ ہونے پائے جو سکے اوس نے ڈھلوائے اون پر قاآن کے
نام اور لقب کی بجائے اسلامی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
کندہ کرایا۔ وہ اسقدر دلیر نہیں تھا کہ اپنی دلی خواہش کے مطابق اپنے ہی
کا نام سکے پر کندہ کرواتا۔ جیسا کہ جہانگیر نے کیا تھا۔ مگر اس معاملہ میں
اوس کی حالت بالکل جداگانہ تھی۔ وہ پیدا مسلمان ہوا تھا اور اسلام
کی بدولت اوس کو سلطنت ملی تھی وہ علما کے اختیار سے باہر نہیں ہو سکتا
تھا۔ کیونکہ اونہوں نے اوسکو تخت پر بٹھایا تھا۔ غزن خان کی تخت نشینی کا
ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہنری چہارم فرانس کے بادشاہ نے بھی تخت
کی خاطر اپنا مذہب بدل لیا تھا (یعنی کیتھولک ہو گیا تھا)

غزن خان تیرھویں صدی کے وسط میں حکومت کرتا تھا۔ اور یورپ
میں یہ مشہور رہا کہ وہ بیت المقدس میں پھر عیسائی حکومت قائم کرنے میں
مدد دینے کو تیار ہے۔ وہ ایک نہایت عقلمند اور منصف مزاج بادشاہ خیال
کیا جاتا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ وہ اپنے ملک کی اور اپنی اصلاح کرنا چاہتا
تھا اس لئے اسے یورپ کی سلطنتوں سے مدد لینی پڑی ہے۔ کہتے ہیں کہ پوپ
بونی فائیس ہشتم نے غزن خان کے ساتھ دوستانہ تعلقات کی بنا ڈالی تھی

بادشاہوں کو ایک اور صلیبی جنگ کرنے کی ترغیب دی۔ اور غالباً یہ عیسائیوں کے ایک پیشوا کے ساتھ ایسا تعلق ہونے کی وجہ سے تھا کہ یورپ کے مورخوں کا یہ خیال تھا کہ غزن خان درحقیقت مسلمان نہیں تھا۔ بلکہ دل میں وہ عیسائی تھا۔ یہ خیال بے بنیاد نہیں ہے کہ اوس کے پوشیدہ اعمال سلطنت مصر کے ضعیف کرنے کی طرف رجوع تھے۔ کیونکہ سلطنت مصر کو وہ اپنے اور ایران کے واسطے مضر سمجھتا تھا۔ یہ صاف ظاہر نہیں ہے کہ اپنے بزرگوں کے مذہب میں تھا یا عیسائیوں کے میں۔ مگر یقین کیا جاتا ہے کہ وہ عمر بھر عیسائی رہا۔ اگرچہ اوس نے عام طور پر اسکا اظہار نہیں کیا اوس نے تاج کی خاطر اسلام قبول کیا تھا۔ مگر اوس کی تمام زندگی عیسائیوں کے ساتھ دوستی اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنے میں گذری۔ فلوقن ذکر کرتا ہے کہ ایران کا شاہی نشان ہمیشہ سے ایک سنہری عقاب رہا ہے۔ جس کے پر پھیلے ہوئے ہوتے تھے۔ اور رومی عقاب کی طرح نیزے کے سرے پر رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہ کوئی کام کا حوالہ نہیں دیتا ایرانی مورخ ایک جھنڈے کا ذکر کرتے ہیں جو ضحاک کے زمانے سے آخری پہلوی بادشاہ تک مروج رہا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک قواج نامی لوہار نے مشہور و معروف ظالم بادشاہ ضحاک کے خلاف سازش کرکے اوسکو مار کر ملک اوسکے بے رحم پنجے سے چھڑا دیا۔ فتحمند لوہار نے تب خاندان پیشدادیان کے ایک شہزادے فریدون نامی کو تخت پر بٹھایا جسنے اوس کی پرستاری کرکے اپنا شاہی نشان قرار دیا۔ کہتے ہیں کہ اب اوس پر بہت سے جواہرات جڑے گئے اور فریدون سے آخری پہلوی بادشاہ تک ہر ایک بادشاہ اور جواہرات جڑتا رہا۔

یہ درفش قواج کہلاتا تھا۔ مسلمانوں کی فتح کے وقت تک ایران کا یہی نشان رہا۔ پھر یہ لڑائی میں سعد ابن وقاص کے ہاتھ آیا جسنے اوسی خلیفہ عمر کے پاس بھیجدیا۔ سلیکم لکھتا ہے کہ اسبات کا پتہ لگانا کہ شیر و سورج کس طرح ایران کا جھنڈا بن گئے۔ بہت مشکل ہے مگر اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ نشان بہت قدیمی نہیں ہے سلجوقی خاندان کے ایک بادشاہ کے سکون میں

یہ نشان ہونے کے متعلق وہ کہتا ہے کہ جب چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں نے اس خاندان کو برباد کیا تو بہت غالب معلوم ہوتا ہے کہ اوس شہزادے کے بابا اوس کے جانشین نے اس نشان کو اپنی لوٹ کی چیزوں میں شمار کر کر فتح کے بعد اختیار کر لیا ہو۔ اور اوسی وقت سے یہ ایران کا شاہی نشان بن گیا ہو۔ دوسرے لوگ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ نشان پہلے پہل ۱۲۴۰ھ میں غیاث الدین کیخسرو بن کیقباد نے اختیار کیا تھا اور یہ یا تو اوس کی اپنی یا اوس کی بیوی کی جنم پتری کے لحاظ سے بنایا گیا تھا جو جارجیا کی ایک شہزادی تھی۔ یہ قصہ بھی اوس سے ملتا ہوا ہے جو طہران کے ملک الشعرا نے سنایا تھا۔ کیونکہ سورج میں جو چہرہ بنا ہوا ہے وہ عورت کا ہے۔

باب (۶)

ایران کے افسروں کا شیر و سورج کا درجہ فتح علی شاہ نے سر جان میلکم کی تقریب میں قائم کیا تھا جو سنہ ۱۸۱۰ء میں مع پاٹنجر کرسٹی مکڈونلڈ کنیر منٹیتھ اور دیگر انگریزی افسروں کے دوسری دفعہ دربار ایران میں حاضر ہوا تھا۔ ان افسروں نے ایران کی فوج کو آراستہ کر کے بہت بڑا کام انجام دیا تھا۔ ان کے بعد اور وقت سے افسر گئے جو ان کی ترتیب دی ہوئی فوج کو لیکر ان سازشوں کی کوششوں کے ساتھ لڑے جو فتح علی شاہ کی موت کے بعد محمد شاہ ولیعہد کے مقابلہ اوٹھ کھڑے ہوئے تھے جو بادشاہ مرحوم کے والد تھے۔ مقتول ولیعہد کے لڑکے یعنی بھتیجوں سے شکست کھائی اور اس طرح انگلستان نے تخت کو خاندان قاچار میں قائم کر دیا اور فتح علیشاہ کی وصیت کو پورا کیا جسنے کہا تھا کہ میرے بیٹے

عباس مرزا کے بعد میر الپوتا تخت پر بیٹھے۔ محمد شاہ کی تخت نشینی کے وقت سے تمام تبدیلیوں میں ایران کو یہ خیال کرنے کی جگہ ملجاتی رہی ہے کہ انگلستان ایک دوست ہمسایہ ہے اور یہ نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ یہ خیال اوس وقت یقین کے درجے کو پہنچ گیا ہوگا جب ایران کو معلوم ہوا کہ ۱۸۵۶ء کی شکست کی وجہہ سے جنوب میں اون کے ملک کا کوئی حصہ ہاتھہ سے نہیں گیا اور شیر و سورج کا درجہ آجتک ان دونوں قوموں کی دوستی کی شہادت دے رہا ہے۔

طہران کے انگریزی سفیر کے پاس دو سینٹ برنارڈ کتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی شیر کی سی صورتوں۔ بھورے سرخ رنگوں۔ سڈول شکلوں اور بڑے بڑے اعضا کی وجہہ سے وہمی ایرانیوں پر عجیب اثر پیدا کر رکھا ہے۔ یہ کتے بڑی پرانی نسل کے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک مشہور جوڑے کی اولاد میں سے ہیں۔ چونکہ وہ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں اسلئے بالکل سلیم الطبع اور خوشمزاج ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ایک کمزور طبیعت آدمی کو پہلے پہل دیکھکر اگر خوف نہیں تو شبہ تو ضرور ہوتا ہے یہ طاقتور دیوشکل کتے سیر کے وقت سفیر کی بیوی کے ساتھہ جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ اونکا نام نگہبانی کرنا ہے۔ شاندار خوشنما بچیس اپنی گردن اوٹھاتے ہوئے اور آنکھوں سے ادہر اودہر دیکھتے ہوئے آگے چلتا ہے۔ اور ڈائیڈو سر جھکائے ہوئی شیرنی کی طرح خوب ہوشیاری سے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ بازاری آوارہ گتے اور اجنبی کتوں پر سب طرح دوڑ پڑتے ہیں۔ دردناک تجربہ حاصل کر چکے ہیں اسلئے جب وہ ان بہادروں کی جوڑی کو گذرتے دیکھتے ہیں تو چپکے سے دبک جاتے ہیں۔ اور آنے جانے والے بھی جو کہ مسلمانوں کے قاعدے کے موافق کتوں سے بہت بے رحمی سے سلوک کرتے ہیں۔ اون کے ساتھہ ویسا سلوک نہیں کرتے لیکن وہ چپ چاپ چلے جاتے ہیں اور دونوں آدمی اور کتے اون سے ڈرتے ہیں ٭

ایک ایرانی شریف آدمی گھوڑے پر سوار مع اپنے ہمراہیوں کے جاتا تھا
ان دو بیناؤں کے کشتول کو دیکھ کر قریب آیا اور کہا کہ اس کشتول کے بدلے
کے واسطے میں ایک نہایت عمدہ کرمانی شال یا ایک نہایت تیز گھوڑا دینے
کو تیار ہوں۔

کہ ایران کے بعض بھکاری درویش بہت خوبصورت جھولے اور گنڈے
کپڑوں سے رنگوں والے ہوتے ہیں اور اگرچہ ہر ایک دروازے سے بھیک مانگتے ہیں
لیکن بھکاریوں کی طرح وہ سب کچھ لیتے ہیں خیرات دینے والوں
کو وہ اپنا ممنون احسان سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ان کو ایک مذہبی فرض کے
ادا کرنیکا موقعہ دیتے ہیں۔ وہ بڑے غرور سے ایک عصا یا کلہاڑی لئے
ہوئے چلتے ہیں اور اکثر ان کی شکل ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

ان میں سے ایک اچانک ایک پہلو کی پگڈنڈی سے سفر کی ٹولی کے
پیچھے نکلا اور زور سے حق حق کے نعرے مارتا ہوا اوس کے پیچھے پیچھے
چلدیا۔ تقریباً شام ہوگئی تھی اوس نے بڑے کشتول کو نہ دیکھا جو آگے
جاتے تھے اوس کے زور کے نعروں سے اور قریب قریب آنے والے قدموں
کی آوازوں سے تنگ آکر میں نے پیچھے مڑ کر اوس سے کہا یا تو آگے چلے جاؤ یا
پیچھے پیچھے چلو۔ یہ سنکر وہ بہت عجیب ہوا اس خیال سے کہ شاید اس کے
مبارک ظہور کو پسند نہیں کیا [illegible] سے آگے بڑھا اور شیر کی مانند
کشتول کو دیکھکر وہ رک گیا [illegible] پیچھے چلتی ہے وہاں میں چپ چاپ
چلونگا۔ سفر ختم ہونے کے [illegible] پہنچے جب ادھر [illegible] دیکھا کہ
خالی ہے اور کتے بدر گھس رہے ہیں تو وہ یہ کہکر چلدیا مسافت اللہ
بالخیر ابد لک اللہ۔

پہلے کوئی شریف عورت اس خیال سے باہر نہیں نکلتی تھی کہ لوگ
جھک جھک کر دیکھینگے یا ہنسینگے۔ مسلمانوں کے ملکوں میں یہ عام دستور ہے
کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ عورت کا تمام چہرہ اور جسم ڈھکا رہنا چاہیے۔ لیکن
ریمیں یا ڈی انڈو کی موجودگی میں کوئی نگاہ بد سے یا ہنسی سے نہیں دیکھ

سکتا۔ بلکہ اب بڑی عزت سے اشارہ کرتے ہیں کہ تمہارا رستہ صاف ہے۔ ایرانی اپنی صاف سوچ بچار سے شاہی ہتھیاروں پر ایک شریفزادی شاہی گارد اور شیر ایران کی تصویر بنا لیتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ مہدی کے سپاہیوں نے درویش کے لفظ کو اچھے معنوں میں استعمال کرنا سکھا دیا یہ لفظ بھکاری کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اگرچہ اس کے معنے اصل میں دروازے کے سامنے ہیں تاہم اس سے یہ مطلب نہیں کہ در بدر مانگنا اس سے خیال کیا جاتا ہو۔ شروع میں درویش ایک ایسے شاگرد کو کہتے تھے جو اپنے خانگی تعلقات کو چھوڑ کر بغیر کسی زاد راہ یا توشے کے دوستانہ لوگوں میں اشاعت مذہب کے واسطے چل پڑتے تھے۔ اور کہیں کہیں ٹھہر جاتے تھے جہاں اون کی بڑی خاطر ہوتی تھی ہوتے ہوتے وہ دین کا سپاہی بن جاتا تھا اور جب جھگڑے پڑ گئے اور مذہبی دشمنیوں کی آگ بھڑک اٹھی تو جوشیلے سپاہیوں کے کئی فرقے بن گئے جو اپنے آپکو درویش کہتے تھے۔

اسمعیلی بھی ایسے ہی تھے جو سب سے پہلے ایران میں گیارہویں صدی میں حسنی کہلانے لگے اور جو سوڈان کے موجودہ درویشوں کی مثل تھے۔ آجکل ایران میں درویش کا لفظ صوفیائے کرام کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اور ان کے کئی [illegible] ہیں اور انمیں نہایت اعلیٰ اور دولتمند طبقوں کے لوگ شا[illegible] علیشاہ کے زمانہ میں بھکاری درویش اٹلی اور اسپین کے آ[illegible]یروں کی طرح ایسے بدکار اور کثرت سے تھے کہ ورس کے جانشین محمد شاہ نے تخت پر بیٹھکر پہلا کام جو کیا وہ یہہ تھا کہ اوس نے حکم دیا کہ سوائے لنگڑے۔ ضعیف اور اندھے کے کوئی مانگنے نہ پائے اور جو مضبوط آدمی فقیروں کے بھیس میں ملجائے اوسے پکڑ کر فوج میں داخل کیا جائے۔ اس وقت سے بیشک کم ہو گیا ہے۔ اور اب بھی بھکاری بہت کم ملتے ہیں۔ اب جو بیگانہ رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں یہ ضرور نہیں کہ وہ مفلس خود انکساری اور تجرد کی شرائط

کو پورا کرتے ہوں۔ وہاں ایک نہائیت کالے رنگ کا حبشی تہا جو انگریزی سفارتخانے سے پنشن کے طور پر خیرات لیا کرتا تہا اور ہر موسم میں خواہ برف پڑتی ہو یا دہوپ ہو وہ نہائیت شوخ رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے سبزہ زار میں چہر چہوڑاتے ہوئے دیکہا جاتا تہا۔ وہ جانتا تہا کہ اس کا دینی نعرہ یا ہو صرف اوسی کے ساتھ خاص تہا۔ اور وہ انگریز کو دیکہکر یہ نعرہ مارنے کو ہر وقت تیار رہتا جسکی فیاضی کی داد دینی اوس پر فرض تہی سو وہ حکایت بیان کیا کرتا تہا کہ میں افریقیہ کے شہزادوں میں سے ہوں وسط افریقیہ میں مجہے ایک شخص نے چرا کر عربوں کے ہاتہہ بیچا اور پھر وہاں سے کسی نے خرید کر ایران کے شمال میں آکر چہوڑ دیا۔

وہ تاریک شہزادے کے نام سے مشہور رہتا۔ ۱۸۹۲ء کے ہیضے کی وبا کے زمانہ میں اوس نے ایک پرانے سایہ دار چنار کے درخت کے نیچے رہائش اختیار کی۔ جہاں درویش اکثر رہا کرتے تہے۔ یہ جگہ طہران کے نواح میں گلہیک کے انگریزی سفارتخانے موسم گرما کے قریب تہی۔ ایک بعد اسنے دروازہ کے باہر بیٹہکر نہائیت پردرد لہجے میں رات کے وقت ہیضے سے اپنی بیوی کے مرجانے کا حال بیان کیا اور اوس کی تجہیز و تکفین کے واسطے کچہہ مانگا۔ روپیہ جمع کرنے کے بعد رات کو اپنی مردہ بیوی کو چنار کے تلے چہوڑ کر غائب ہو گیا بعد میں معلوم ہوا کہ اوس کی دو بیویاں تہیں جو اوسے آغا یعنے مالک کہا کرتی تہیں اور جو زندہ تہی اوسے لیکر چلا گیا اور دوسری کو چہوڑ کر چلا گیا کہ لوگ دفن کر دیں بعد ازاں وہ تاریخی کے شہزادے کے نام سے مشہور ہو گیا۔

طہران کے بہکاری درویش سب کے سب میلے کچیلے کپڑوں والے نہیں ہوتے۔ بعض اون میں نہائیت صاف لباس پہنتے ہیں اور ستہرے رہتے ہیں۔ ایسا ایک شخص طہران میں تہا جو ایک نہائیت خوش مزاج بوڑہا آدمی تہا اور معلوم ہوتا تہا کہ ایک آرام بخش قومی ہے وہ نہائیت خوش کن قصے بیان کر سکتا تہا۔ کیونکہ افسانہ گوئی اکثر درویشوں نے ایک عمدہ ذریعہ

معاش کا اختیار کر رکھی ہے۔
قصے بیان کرنے کے کام میں بہت سے درویش عقلمندی۔ دوست نوازی اور تیز حافظہ ظاہر کرتے ہیں لیکن اپنی حکایتوں کو دلچسپ بنانے کے واسطے اون کو نئے نئے واقعات ملانے پڑتے ہیں جو انہوں نے سنے ہوتے ہیں یا خود بنائے ہوتے ہیں جو اپنی عمدگی کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے اوس کو گاؤں اور قصبوں کے قہوہ خانوں اور باغوں میں بڑی خوشی سے بلوایا جاتا ہے۔

ایک دن میں ایک نہایت عمدہ صاف ستھرے سفید کپڑے والے درویش کو صحرائے یزد کے ایک وسیع ریتلے قطعے پر ملا۔ جہاں اوس کے ملنے کا مجھے کچھ بھی خیال نہ تھا۔ جب اوس نے دیکھا کہ ایک فرنگی ہے تو وہ ٹھہر گیا اور اپنی کشکول کو ذرا اٹھا کر آہستہ سے کہا "خیرات بخشش آسمان کی شبنم کے قطروں کی طرح ہے" اوس کے یہ الفاظ ایسے بے آب و گیاہ ویرانے میں نہایت موزوں تھے اعلیٰ درجہ کے درویشوں کی جماعت میں شامل ہونا کسیقدر فری میسنوں کے اندراج کا سا ہے۔ میں ایک نہایت اعلیٰ درجے کے ایرانی شریف کو جانتا ہوں جو ایک درویش ہے اور ایک مشرقی علوم کے عالم اور اوضاع و اطوار کے واقف فرنگی کو بھی جانتا ہوں جس کو درویشوں کے جرگے میں داخل ہونیکی اجازت ہوگئی ہے۔ زمانہ گذشتہ میں ایران [illegible] میرا [illegible] حاجی مرزا آقا ایک مشہور و معروف مگر بد مزاج درویش تھا۔ اس بات کے علم کیوجہ سے [illegible] دیوانے کے ناقابل برداشت سختی کو رد کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ جو ایک [illegible] کی کے جمعدار کا رشتہ دار تھا اور اصطبل میں سائیس کا کام کرتا تھا۔ میرا چالاک ارمنی نوکر جو سائیس کا کام بھی ویسا ہی کرتا تھا جیسا کہ ترجمہ گری کا۔ اپنی گرم جیکٹ اوتار کر اسباب کے گھوڑوں پر باندھنے میں مدد دے رہا تھا۔ کیونکہ زاید اسباب کے گھوڑے وہاں دو کے [illegible] جاتے ہیں۔ ایک مضبوط خوش مزاج سائیس گھوڑوں کے ساتھ آیا اور جیکٹ اوتار کر پہن لی اور کہا آج بہت سردی ہے۔ جب سب اسباب تیار ہوا اور ہم چلنے کو ہوئے تو نوکر نے جیکٹ

مانگی دیوانے نے یہ سنکر جواب دیا کہ یہ تو ایک عطیہ ہے اور دینے سے انکار کیا۔ سخت کلامی تک نوبت پہنچی تب میں نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا اور کہا کہ تم اپنی درویشی کی عادات کو چھوڑ دو اور جیکٹ اس کے حوالے کرو۔ دیوانہ تو سن ہو گیا اور اپنے آس پاس کے لوگوں کو بلاکر کہنے لگا کہ اس نے مجھے درویش کہا ہے اور میرا دل دکھایا ہے۔ میں نے کہا تم عجیب آدمی ہو وزیر اعظم کے فرقہ میں ہونا پسند نہیں کرتے۔ کیا حاجی مرزا آغا سی درویشوں کی شریف جماعت میں سے نہیں تھا اوس نے آہستہ سے میری بات کو سمجھا اور ہنسکر جیکٹ واپس کر دی۔ فقیروں کو دینے کے متعلق ایران میں بھی ہماری طرح ایک مثل مشہور ہے "اول خویش بعد درویش" جیسے ہماری مثل ہے "خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے"۔

ایران کے معمولی گھوڑے چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر بہت مضبوط اور جفاکش ہوتے ہیں سڑا لگم گرمی کے زمانہ میں گاڑی میں بھی بہت لمبا سفر کر سکتے ہیں۔ جیسے کہ طہران اور کاسوین کے درمیان چلنے والی گاڑیوں سے ظاہر ہے۔ یہ ستانویں میل کا فاصلہ ہے جسمیں چھ چوکیاں ہیں ایک چوکی پر پہنچکر مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کے تمام گھوڑے ایک روسی مسلمان سوداگر لے گیا تھا جو میرے آگے آگے بڑی شان سے سفر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ سات گھوڑیاں تھیں۔ میرے پاس ایک اپنی سواری کی گاڑی تھی اور دوسرا اطرنطس تھا جسمیں نوکر معہ اسباب کے سوار تھا۔ دونوں میں تین تین گھوڑے تھے سڑک پر بہت آمد ورفت تھی۔ اور گھوڑوں کو صرف چند گھنٹے ٹھہرنے کی مہلت ملتی تھی۔ اور پھر واپس جانا پڑتا تھا۔ میں چوکی پر رات کے وقت پہنچا اور اگرچہ میری یہی خواہش تھی کہ چلا چلوں۔ مگر گھوڑوں کے واپس آنے کا انتظار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ جب وہ واپس آئے تو میں گھنٹہ بھر آرام کرنے کے بعد اونمیں سے چھ میری گاڑی اور اسباب کے دو چھکڑوں کو لے کر چل دیئے۔ اگلی چوکی پر پہنچکر میں نے طویلہ خالی پایا۔ کیونکہ میرے آگے جانے والے جو گھوڑے لے گئے تھے

وہ ابھی واپس نہیں آئے تھے۔ میں نے دار وغہ چوکی سے پوچھا کہ یہی گھوڑے مجھے اگلی چوکی تک لیجا سکتے ہیں اوس نے جواب دیا کہ ایک گھنٹہ آرام کرنے اور دانہ چارہ کھانے کے بعد یہ پھر تیار ہو جاوینگے۔ اونہوں نے دوسری منزل بھی اچھی طرح طے کی اور تھکان کے نشانات کچھ ظاہر نہوئے یہ گھوڑے سولہ میل تو دھوپ میں اور سولہ میل پھر شام کیوقت اپنی چوکی تک لوٹنے میں طے کر چکے تھے اور میرے ساتھ بتیس میل تو صبح کے وقت کیا اور پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد اوتنا ہی واپس آنے میں کیا۔ یہ سب بہت تھوڑے وقت میں کیا۔

جبکہ مجھے شاہ کجکلاہ کے طویلے دوبارہ دیکھنے کی خاص طور پر اجازت ملگئی اور میں اون کو ایران میں سب سے دلچسپ نظارے سمجھتا ہوں۔ اون میں ایشیا کی نہائیت عمدہ نسلیں موجود ہیں اور عرب۔ ایران۔ کردستان۔ کرداغ خراسان اور ترکمانوں کے ملکوں کے نہائیت چیدہ چیدہ گھوڑے اور شاہ مرحوم اور اس کے جانشین یعنے موجودہ شاہ امظفرالدین سلطان کی گھوڑوں کی چراگاہوں کے نہائیت عمدہ جانور شامل تھے ان سب چراگاہوں میں بہت اچھے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں۔ شاہ مرحوم نے تین جگہ نسل بڑھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک طہران کے گرد و نواح میں دوسرے ہمدان کے قریب اور تیسرے مراغہ میں جہاں چراگاہ بہت اچھی ہوتی ہے کہتے ہیں کہ انمیں سے ہر ایک میں ایکہزار گھوڑیاں اور بچھیرے ہیں شہنشاہ ایران کے انتظام کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جسکی طرف گھوڑوں کے انتظام کی نسبت زیادہ توجہ کیجاتی ہو۔ یہ سب ایک افسر کے ماتحت رہتے ہیں جس کو میراخور کہتے ہیں۔

محمد حسین مرزا میراخور جو کہ خاندان شاہی کا ایک شہزادہ ہے ہر ایک گھوڑے کی پوری پوری تواریخ جانتا ہے۔ اور ہر جانور جو اوس کے زیر نگرانی ہے بہت عمدہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوسے اپنے کام کا بہت شوق ہے۔ پہلے ہمیں گھوڑ دوڑ کے گھوڑے دکھلائے گئے جن کو ایرانی

مال شرط کہتے ہیں۔ وہ تعداد میں تیرہ تھے اور سب کے سب مضبوط تھے۔ اونکی ہڈیاں سخت تھیں اور بھٹے بہت سے کہتے تھے۔ وہ عرب تھے مگر سب کے سب عرب سے نہیں لائے گئے تھے۔ بلکہ شاہ مرحوم کے اسپ خانوں میں اصلی نسل سے پیدا ہوئے تھے شاہی گھوڑدوڑ طہران سے چھ میل کے فاصلہ پر موضع دوشان تپہ میں ہوتی ہے جہاں نرم ریتلی جگہ کا نرم چکر بنا ہوا ہے لوگ کہتے ہیں کہ یہ دو میل لمبا ہے مگر دراصل ڈیڑھ میل ہے ایرانی لوگ گھوڑوں کو دور و دراز کے سفروں کے عادی بنانے کے واسطے پالتے ہیں۔ دوشان تپہ کی گھوڑدوڑ میں تین سے نو میل تک کی دوڑ ہوتی تھی شہزادے نے ایک گھوڑے کیطرف اشارہ کیا جسنے پچھلے جاڑے میں نو میل کی دوڑ ۲۵ منٹ میں کی تھی۔ یہ گھوڑا نہایت عمدہ قد ڈیل ڈول کا۔ بھورا سا عرب تھا جسکے بدن پر کچھ سیاہ داغ تھے۔ یہ اور ایک زیادہ گہرے بھورے رنگ کا اور ایک بادامی رنگ کا خاص عربی نسل کے تھے جو نجد سے لائے گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ نجد کے لوگ ایسے گھوڑوں کو بیچتے نہیں ہیں۔ یا تو کسی کو تحفتہً دیدیتے ہیں یا لڑائی میں کسی کے ہاتھ آجاتے ہیں۔ ان تینوں کی شکل اور بناوٹ ایسی تھی کہ خواہ مخواہ کبھی نظر اوسطرف کھنچی جاتی تھی ان سب پر چھوٹے چھوٹے لڑکے سوار ہوکر آہستہ آہستہ صحن میں پھرا رہے تھے وہ سواری قلمی جبکٹیں اور نیلی بریچیز پہنے ہوئے تھے پاؤں میں لمبے نرم چمڑے کے بوٹ تھے اور ٹوپیوں میں کوٹیوں کی بجائے رنگین رومال سر پر مضبوط بندھے ہوئے تھے۔

میرے خیال میں موجودہ مال شرط یعنے گھوڑدوڑ کے گھوڑے جن کو سرپٹ چلنے کا عادی رکھا جاتا ہے۔ اون پرانے لڑائی یا فرار کے وقتوں کا نتیجہ ہیں۔ جب ہر وقت شب خون۔ حملے۔ یا دھوکے کے واسطے تیار رہنا پڑتا تھا۔ اور اکثر انسان کا سب سے اچھا دوست اُسکا گھوڑا ہوتا تھا۔ جیسا کہ ایک بادشاہ نے کہا تھا۔ کاش کہ ایک گھوڑا ملجاتا۔ اوسوقت گھوڑے نہونے کی وجہہ سے میری سلطنت جاتی ہے۔

گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کے بعد سواری کے گھوڑوں کی باری آئی۔ یہ سب باسٹھ تھے ان میں تحفہ اور غنیمت کے سب سے عمدہ ایرانی النسل کے سرمئی جیسے چالاک عرب اور نہایت مضبوط بناوٹ والے جاف کردوں کے ملک کے گھوڑے شامل تھے۔ کچھ ایرانی اور کچھ ترکی و ترکمانی نہایت عمدہ و اعلیٰ نسلوں کے اور بڑی بڑی ہڈیوں والے کردانے کے جانور تھے۔ جو شاہی نسل میں سے تھے۔ بعض لمبے۔ پستہ قد اور طاقتور یا موٹے تھے بعض ترکمانوں کی ملک کی نسلوں کے اور بعض خوبصورت اور چالاک چھوٹے چھوٹے خراسان کے گھوڑے تھے۔ بعد ازاں ہمیں کچھ شاہی مرغزاروں کے جو شیراز کے قریب ہیں کچھ نہایت عمدہ بڑے بڑے اعلیٰ قسم کے اور لورستان اور ایرانی عربستان کی پہاڑیوں اور میدانوں کے مضبوط نسلوں کے دو غلے گھوڑے اور اعلیٰ قسم کے عرب دکھائے گئے جو شاہ کے بیٹوں نے پلوائے تھے۔ اور بہت سے اچھے اچھے نمونے شاہی مرغزاروں کے گھوڑوں کے ہم نے دیکھے۔

تین بھورے رنگ کے عرب جن کو شاہ مرحوم بہت پسند کرتا تھا۔ سنہری پٹوں سے سجا کر باہر لائے گئے۔ اون کی کمریں جھکی ہوئی تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں پہاڑوں اور میدانوں کی سواری کے واسطے بہت بکار آمد اور مضبوط ہیں اون میں سے ایک کی بابت کہا جاسکتا تھا کہ وہ بوڑھا ہو جاتا ہے۔ ایسے اچھا کام نہیں لے سکتا۔ اس پر بھی وہ ایسا جسیم اور جوش سے بھرا ہوا تھا کہ وہ دائیں سے بائیں ہوا آگے پیچھے کودتا تھا۔ گویا کہ وہ تماشبینوں سے غلاموں۔ محافظوں کی صفوں کو چیرنا چاہتا تھا۔

میرے خیال میں سواری کے گھوڑوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور عمدہ شکل و شباہت والے ایک دو غلا بھورے رنگ کا جاف کرد۔ اور دو ترکمان تھے۔ دوسری قسم کے گھوڑوں کی کمریں بہت گہری تھیں اور ان کی گردنیں لمبی اور عمدہ تھیں جیسی عموماً اون کی نسل کی ہوتی ہیں اور اون کے سر کسیقدر بڑے لیکن دبلے سے ہوتے ہیں جن سے نسل کی عمدگی ظاہر ہوتی ہے۔

ترکمان کہا کرتے ہیں کہ ہمارے گھوڑے اسواسطے بہت بڑے اور مضبوط ہوتے ہیں کہ ہمارے چراگاہیں بہت عمدہ اور کثرت سے ہوتی ہیں۔ میں شاہی اصطبل کے اس مختصر بیان کو اس بات پر ختم کرتا ہوں کہ چونکہ ایران ایک گھوڑوں اور سواروں کا ملک ہے اسلئے ہر ایک اجنبی سفیر جب پہلے پہل یہاں پہنچتا ہے اور شاہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے تو اوس کو شاہ معظم کے اصطبل سے ایک گھوڑا عطا ہوتا ہے۔ ان سب گھوڑوں کی دمیں گندھی ہوئی یا اوپر کو بندھی ہوئی تھیں۔ ایرانی لوگ کبھی اپنے گھوڑے کی دم نہیں کاٹتے بلکہ اوپر کو باندھ دیتے ہیں اس سے جانوروں کی شباہت بھی بڑھ جاتی ہے اور زمین پر گھسٹنے سے بھی بچ جاتی ہے۔ اور اس کے ہلنے سے سوار کو بھی اذیت نہیں پہنچتی۔ دم صرف اس وقت باندھی جاتی ہے جب سواری کا وقت ہوتا ہے ورنہ کھلی رہتی ہے۔ تاکہ وہ مکھیاں اوڑا سکے۔

شاہی اصطبل نہایت مقدس جائے پناہ سمجھا جاتا ہے اور آجتک یہی دستور چلا آتا ہے دوسرے ملکوں کے سفارتخانوں کے اصطبلوں کی بابت بھی یہی خیال ہے۔ کیونکہ ایلچی نائب السلطان ہوتا ہے۔ سنہ [illegible]ء میں میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا کہ انگریزی اصطبل میں ایک دفعہ اسی طریقہ پر پناہ چاہی گئی۔ ایران کے جنگی قبائل اس اصطبل کی پناہ کو ہمیشہ سے بہت عزت سے دیکھتے رہے ہیں۔ اونکا خیال ہے کہ جو اصطبل کی پناہ کے قاعدہ کو توڑیگا اوس کو گھوڑا کبھی فتحمندی تک نہیں پہنچائے گا۔ ایک ایرانی داستان میں جسکا میلکم نے حوالہ دیا ہے نادر شاہ کے پوتے نادر مرزا کی تمام مشکلات کو اصطبل کی بے حرمتی کیطرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ اوس نے ایک شخص کو باوجودیکہ اوس نے اصطبل میں پناہ لی تھی مروا ڈالا تھا۔ وہی مورخ کہتا ہے کہ ایک بھاگتا ہوا ملزم ایک گھوڑے کے سر پر پناہ لیتا ہے۔ اگرچہ وہ باہر میدان میں بندھا ہو مگر وہ سر کو چھو لیتا ہے اور جبتک وہ وہاں رہتا ہے اوس کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ سر میلکم کہتا ہے کہ جنگی قبائل میں بھی

دستور ہے کہ اگر وہ کسی سردار یا مشہور سپاہی کے جنازے پر عزت کا اظہار
کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایک گھوڑا بغیر سوار کے جسکی زین پر کپڑے اور ہتھیار
بندھے ہوتے ہیں ہاتھ سے پکڑ کر چلانے کے واسطے جنازے کے ساتھ
بھیجتے ہیں۔ مرحوم جوان کا پیارا گھوڑا اوس کے کپڑے اور ہتھیار اٹھائے
ہوئے جنازے کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ بھیڑ کے چمڑے کی ٹوپی جو وہ
پہنا کرتا تھا زین کے قرابوس پر رکھی ہوتی ہے اوسکی کمر کا پٹکا گھوڑے
کی گردن میں بندھا ہوتا ہے اور اون کے بوٹ زین کے دونوں طرف لٹکتے
رہتے ہیں۔ انہیں رسموں میں اون بہت سی باتوں کی اصلیت ملسکتی ہے
جو بہت سے شائستہ لوگوں میں آجکل رائج ہیں اور اسبات کا بھی پتہ
چلتا ہے کہ گھوڑا کیوں ایک شریف جانور سمجھا جاتا ہے۔ شاہ مرحوم کے
اصطبل میں ایک بھی انگریزی یا فرنگی سواری کا گھوڑا نہیں تھا اور اس
میں اور کہیں بھی ایسے گھوڑے نہیں دیکھے جاتے جہاں سوائے بعض وحشی
گھوڑوں کے جو ضلاع ڈان کے پلے ہوئے بھاری اور موٹے ہوتے ہوتی
ہیں اور گاڑیوں میں اکثر جوتے جاتے ہیں طہران کے روسی کاسک رسالے
کے توپخانے میں بھی بہت کم روسی گھوڑے ہیں۔ ناصر الدین عربی اور اشرفی
گھوڑوں کو جو اسے بہت اچھی نسل کے ملجاتے تھے۔ ایسا اچھا جانتا تھا کہ
وہ اسبات کو نہیں سمجھ سکتا تھا کہ انگلستان میں گھوڑ دوڑ کے گھوڑوں کے
واسطے اسقدر قیمتیں کیوں دیجاتی ہیں۔ بیان کرتے ہیں جب ۱۸۷۳ء میں
ایپسم ہال میں اوسے اورمنڈ گھوڑا دکھلایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اس کے
چودہ ہزار پونڈ ملتے ہیں تو اس نے بیت سے زمین ٹھوکر کر بہت جلدی سے
کہا؟ ہیں چودہ ہزار پونڈ اس کے اس کو موز؟ یہ تو شاید کل مر جائے
یہ سنکر اوس کو حیرانی ہوئی کہ اورمنڈ بعد ازاں تین ہزار پونڈ کو بکا۔

ایران میں ابھی دوڑوں کے واسطے گھوڑوں کے پالنے اور سدھانے
کی بابت اور اس وقت کی بابت جتنے میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نو میل طے کئے
جیتنے اپنے ایسے دو دوستوں سے گفتگو کی جو ان باتوں کو خوب جانتے تھے

تو ان میں سے ہر ایک کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو وقت بتایا جاتا ہے وہ ٹھیک ہو مگر دوسرے کو اس میں بہت شک تھا۔ بعد ازاں جینیے سنہ ۱۸۷۶ء کے ... کی یونائیٹڈ سروس انسٹیٹیوشن میں ایک ترتیب جاپان و ایشیا پر ایک مضمون لکھا جس کو ڈبلیو ای۔ جی نے اردو زبان میں ترجمہ کیا جس میں فرغنہ کی گھوڑ دوڑوں کی تفصیل اور گھوڑوں کے ٹھہرنے کی طاقت کا بیان دیا گیا ہے۔ ایم کاستنکو ذکر کرتا ہے کہ یہ تفصیل ایک مضمون سے لیگئی ہے جسکو سنہ ۱۸۵۸ء میں ایم گارڈرین وائیٹی صاحب نے کے واسطے لکھا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اندرونی فرغنہ کے لوگوں میں انعامی دوڑوں کو نیا اعظم سنہ ۱۸۵۸ء ہے شروع میں مالک کیا تھا۔ اس سال ۴ اکتوبر کو ایک چار میل کا چکر بنایا گیا تھا اور گھوڑے پانچ دفعہ اوس کے گرد دوڑے۔

جیتنے والا ۲۰ میل ۴۴ منٹ ۵۴ سیکنڈ میں دوڑا۔ سنہ ۱۸۵۳ء میں ۱۸۴ آل کی روڈ ایک دائرے میں دوڑی جاتی تھی اور ان دوڑوں کا مفصل حال ... میں معلوم ہوا۔

سب سے زیادہ رفتار ۳۔ اکتوبر سنہ ۱۸۵۳ء میں قلمبند کی گئی جبکہ ۱۲ میل کا فاصلہ ۲ منٹ ۳۰ سیکنڈ میں طے کیا گیا تھا۔ دوسری طرف سب سے زیادہ وقت ۳۹ منٹ ۴۰ سیکنڈ تھا

گھوڑدوڑ کے شاہی گھوڑوں کی منتظم کمیٹی نے موسم کی خبر کی چنداں پرواہ نہیں کی۔ ایسے سنہ ۱۸۶۷ء میں ملاحظہ کنندوں کی کمیٹی کے پاس ایک اور رفتار معلوم کرنیکا بھیجا گیا۔ دائرہ پہلے ہی ناپا جا چکا تھا۔ کمیٹی کے نے رپورٹ کی کہ چکر کا ناپ بالکل ٹھیک ہے مگر اتنا نقص ہے کہ ہر ۲۵ میل کے بعد ۱۷ ۱/۲ فیٹ باہر کو نکلا ہوا ہے۔ تب اس نقص کو ٹھیک کیا گیا چنانچہ ۲ اکتوبر کو آزمائشی دوڑ کی گئی جسمیں رفتار ایک ... پیمانے کی مدد سے ناپی گئی۔ جو معہ چند سیکنڈ ... کے بھیجا گیا تھا ان سے معلوم ہوا کہ ۲۳ منٹ میں ... ۱۳ میل دوڑے گئے۔ ۱۹ دوڑوں میں جو ایک چکر پر دوڑی گئی تھیں وقت کی اوسط ۲۳ منٹ ۴۰ سیکنڈ تھی

سنہ ۱۸۶۱ء میں ایک دوڑ ایک اور ساڑھے تین میل کے چکر کے گرد پانچ دفعہ دوڑی گئی جیتنے والی گھوڑی نے ۱۷ میل کا فاصلہ ۴۸ منٹ ۴۵ سکینڈ میں طے کیا۔

اسٹریجن گورمنٹ کے جنیوں میں دس میل کی دوڑ ہوتی تھی سب سے زیادہ رفتار جو سنہ ۱۸۶۴ء میں قلمبند کیگئی تھی وہ ۲۳ منٹ ۵۶ سکینڈ تھی اور اس سال کا سب سے زیادہ وقت ۲۷ منٹ تھا۔ سنہ ۱۸۶۲ء اور سنہ ۱۸۶۵ء کے درمیان اور سنہ ۱۸۶۰ء اور سنہ ۱۸۶۹ء کے درمیان وقت کی اوسط ۲۵ منٹ ۱۵ سکینڈ تھی۔

ان دوڑوں میں سوار ہونیوالے لڑکے دس بارہ سال کی عمر سے زیادہ کے نہیں تھے اون کی کوئی خاص تربیت نہیں ہوتی کیونکہ شروع سے وہ سواری کے عادی ہوتے ہیں اور سخت ورزش کے واسطے خوب تیار ہو جاتے ہیں۔ ان کے جسم کے وزن چار سے دس ستون ۰۷ سیر تک ہوتا ہے (ایک ستون سات سیر کا ہوتا ہے) ابتک بھی ایرانی سب کے سب سواری جانتے ہیں اور وہ عام طور پر اس میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ تمام خانہ بدوش لوگ گھوڑے پال لیتے ہیں اور اس ملک میں گھوڑے پالنے کا اسقدر رواج ہے کہ عموماً آدمی اپنے گھوڑے کے نام سے مشہور ہوتا ہے جیسا کہ انگلستان کے بعض حصص میں کتوں کے نام سے۔ وہاں آدمی کی نسبت گھوڑے کی طرف زیادہ توجہ کیجاتی ہے۔ یہی وجہہ تھی کہ وہ خانہ بدوش سوار جو سنہ ۱۸۶۹ء میں میرا کل اسباب لے گئے تھے پکڑے گئے۔ ایران شاہی سڑکوں کی حفاظت کے واسطے ایک مقررہ رقم منظور کرتی ہے۔

جن افسروں کا آس پاس کے خانہ بدوش جرگوں میں بہت رسوخ ہوتا ہے وہ اس خدمت کا ٹھیکہ لے لیتے ہیں اور ہر ایک چوکی پر حفاظت کے واسطے مختلف جرگوں کے لوگوں کو مقرر کر دیتے ہیں جو افسر ٹھیکہ لیتا ہے اوسکو چوری شدہ مال کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اس لیئے سب لوگ چوری شدہ مال کے نکالنے کی اور سڑکوں کو با امن رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی کبھی

چوری کے واقعات ہو جاتے ہیں مگر ساری باتوں کا لحاظ کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ انتظام بہت اچھا چل رہا ہے اور میرے اسباب کا برآمد ہونا اس کی ایک نظیر ہے ؀

میں شاہزادہ کے چند میل آگے چکر سے پیچھے کو سیدھا پہاڑی کے اوپر سے جا رہا تھا راستہ میں مجھے لورستان کا تبدیل شدہ حاکم آیا جو طہران کو واپس جا رہا تھا اوس کے ساتھ بہت سی لدی ہوئی خچروں کی قطار تھی اور بہت سے محافظ تھے۔ تھوڑی دور اون کے پیچھے تین خانہ بدوش سوار آرہے تھے اون کے ہاتھ میں بھری ہوئی بندوقیں تھیں (ہم سمجھا ایران میں اب عام ہیں) اور پیٹیوں میں آہستہ سے کارتوس بھر سکتے تھے۔ وہ ہمارے قریب آئے اسوقت میرے ساتھ ایک غلام اور دو نوکر تھے ہم سب گھوڑوں پر سوار تھے اتفاق سے ایک سوار کے ہاتھ سے جب وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا چھڑی گر پڑی جب وہ لینے کو دوڑا تو اوس کی گھوڑی گھومی اوسوقت میں نے اوس کی گھوڑی کو دیکھا تو اوس کی ایک آنکھ اندھی تھی۔ ہم آگے بڑھے اور تھوڑی دیر بعد شہراہ پر جا پہنچے جب دوسری چوکی پر پہنچے تو ایک چوکی کا گارڈ کا تین خالی گھوڑوں کو ہانکتا ہوا پہنچا اور کہا کہ میں نے پانچ مسلح خانہ بدوشوں کو تمہاری اسباب کی خچریں ہانک کر سڑک سے علیحدہ لیجاتے دیکھا ہے سڑک کے محافظ بلائے گئے جب اونھوں نے میرا بیان سنا کہ ہمیں تین سوار ملے تھے اور اون میں سے ایک بدامی رنگ کی یک چشم گھوڑی پر سوار تھا۔ وہ فوراً پکار اٹھے کہ ہاں ہاں کارا بیگ اور اوس کے بیٹے اوس میں شامل ہیں اور وہ اون کے تعاقب میں چلدیئے اور تقریباً سب مال اوسی رات کو مل گیا اور کارا بیگ کا سخت تعاقب کیا گیا مگر وہ غائب ہو گیا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ اوس نے بہت سی چوریاں پہلے بھی کی تھیں اور ایسی صفائی سے کی تھیں کہ کوئی اون کا پتہ نہ لگا سکا۔ میری دانست میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ لورستان کے گورنر کے اسباب کی خچروں کی گھات میں اون کے پیچھے چلا جاتا تھا۔ مگر جب اوس کا

داؤ نہ چلا اور اس کے ہمراہیوں نے مایوسی سے بے پرواہ ہو کر میری چیزوں کا تعاقب کیا اور ان کے ساتھ کسی محافظ کو نہ پا کر تا تنگ لے گئے سفر کے محافظ جرگے والے جانتے تھے کہ وہ اور اس کے ہمراہی کہاں ملینگے اور بہت جلد انہوں نے بہت سا اسباب برآمد کر لیا صرف گھوڑی کا حلیہ یاد رکھنے سے یہ پتہ چلا تھا۔

انگریزی قوم کو کھیلوں سے بہت محبت ہے اسلئے انہوں نے طہران میں بھی جمخانہ کو رواج دیا ہے یہ دستور ہندوستان سے لیا گیا ہے جہاں یہ ایک انگریزی ضابطہ ہندوستانی کے نام سے مشہور ہے۔ انگریزی سفارتخانہ نے اس خوش طبعی کو شروع کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت سے ایسے لوگوں کو طاقت حاصل کرنیکا موقعہ ملجاتا ہے جو پیشتر چاہتے تھے کہ کوئی باہر کی ورزش ہو مگر کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ اب اگر موسم اچھا ہوتا ہے تو ہفتہ وار جلسے ہوتے ہیں جنمیں طرح طرح کی دوڑیں۔ نیزہ بازی اور کاغذ کی کھیل ہوتے ہیں ایک نہایت دلخوش کن اور موثر عجوبہ جو میں نے پہلے وہیں دیکھا وہ گدہوں کا رسا کھینچنا تھا یہ نیا کھیل ایک سفارتخانے کا ایک نوجوان اور کھلاڑی منشی قاہرہ سے لایا تھا جہاں اسنے اسے بڑے زور سے ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ طہران میں نہایت سواری کے گدہے کرایہ پر ملتے ہیں [illegible] سد۔ ہے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ بڑے تیز زبان لڑکے ہو[illegible]تے ہیں۔ اس کھیل میں آٹھ گھوڑے شریک تھے۔ چار ایکطرف اور چار دوسری طرف رسے کے سر باہر کیطرف تھے اور اوپر فرنگی جو زیادہ تر انگریز تھے سوار تھے۔ چابک یا مہمیز استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ رسی دائیں بازو کے نیچے سے گذار کر ہر ایک سوار جیسے چاہتا تھا پکڑے رہتا تھا۔ جب جاؤ کا لفظ کہا جاتا تھا تو گدھوں کی پسلیوں پر ایڑھیاں لگنی شروع ہو جاتی تھیں اور اس کے بعد کا نظارہ بہت ہنسی کا اور جوش کا ہوتا تھا۔ سوار پیچھے کیطرف کھیچے جاتے تھے اور گر پڑتے تھے۔ مگر رسی سے برابر چمٹے رہتے تھے

اور پھر کوشش کرکے سوار ہو جاتے اور کھینچکر دوسری طرف کسی کو گرا دیتے جو مقابل کیطرف سے زور کم ہونے کی وجہ سے آگے جھک کر لڑکھڑا گئے تھے یہ دیکھکر تماشبین بہت خوش ہوتے تھے۔

جو لوگ جاتے وقت میرے ہمسفر تھے وہ طہران میں مجھ سے جدا ہو گئے اسلئے میں اکیلا واپس آیا۔ نومبر کے وسط میں میں نے طہران چھوڑا۔ چونکہ چند روز پیشتر بہت برف پڑ چکی تھی اسلئے مجھے امید تھی کہ کوہ البرز پر خرزان کا درہ بہت سرد ہوگا میں کاسوین تک تو بڑے آرام سے گاڑی میں بیٹھ کر آیا اور پھر وہاں سے رشت تک تین دن میں گھوڑی پر آیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ خلاف امید میری خوش قسمتی سے اچھے موسم کی وجہ سے درہ برف سے خالی ہو گیا تھا اور میرے سفر کے اوس حصے میں دن خوب روشن تھا اور ہوا ٹھہری ہوئی تھی۔

کاسوین اور رشت کے تقریباً بالکل درمیان میں سڑک کے ارد گرد دو بارے زیتون کے جھنڈ ہیں۔ یہ جگہ صدیوں سے زیتون کے تیل اور صابن کا مرکز رہی ہے۔ اس ضلع میں تقریباً ساٹھ گاؤں یہ کام کرتے ہیں۔ انمیں ابھی ہزار سے لاکھ تک درخت ہوں گے۔ جنمیں سے ہر ایک سے چھ سے نو پونڈ تک پھل ہر سال اوترتا ہے۔ ایران میں زیتون کے پھل کا استعمال بمقابلہ اور ملکوں کے زیادہ قدیم زمانے سے چلا آتا ہے اور یہہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ گاؤں والے بعض پرانے درختوں کی منگھڑت عمریں بیان کریں جیسا کہ اٹلی میں بعض زیتون کے درخت حیرت انگیز قدیمی عمر کے بتائے جاتے ہیں۔

میرے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ زیتون کے پرانے تنوں سے نئی نئی شاخیں ہوا کرتی ہیں۔ جیسے ایران میں چنار کے درختوں کی حالت ہے۔ اسلئے پرانے درخت شاخوں سے پھر تر و تازہ ہو جاتے ہیں اور آئندہ نسلوں کو اون پرانے تنوں کی وجہ سے وہی پرانے درخت معلوم ہوتے ہیں۔ باکو کے میسرز گودسنز بکقیو فلیکٹوز اینڈ کو نے اس ضلع میں تیل نکالنے اور صاف کرنے کی اجازت لی ہے۔ میں نے اون کی عمارتوں کو بھی دیکھا جو وہ اپنے کاروبار کے واسطے ایک دریا کے کنارے پر بنا رہے ہے

ہیں۔

رودبار کے قریب سے نہایت سخت لکڑی والے درختوں کے جھنڈ شروع ہوتے ہیں جو بحیرہ خضر کے ڈھلوانوں اور نیچی جگہوں کی تر زمین میں خوب پھیلتے ہیں۔ نومبر میں اون کے پتے نہایت ہی خوبصورت تھے اون میں کئی رنگ تھے نازک سرخ رنگ سے لیکر گہرے قرمزی تک جبنیز اور بھورے رنگ کا ساتھ تھا۔ بعض بلند گھنے جنگلوں والی پہاڑیوں پہ مختلف رنگ اسقدر صفائی سے نظر آتے تھے جیسے سیدھے کناروں والی پٹیاں اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ کس قسم کے درخت کس قسم کی زمین میں اگتے ہیں اور کہاں کہاں وہ اوروں کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔

بحیرہ خضر کے ساحل سے تقریبًا چالیس میل کے فاصلے پر میں مینہ اور کیچڑ میں پھنس گیا اور کیچڑ بھی ایسا جسکی حقیقت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے میں انزیلی سے ایک روسی جہاز طہران پر سوار ہوا یہ ایک بڑے جہاز کی طرح چلتا تھا جو عمومًا ڈاک کے کام کے واسطے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب میں سوار ہوا سمندر چڑھ رہا تھا میں خوش قسمتی سے کھاڑی کے دروازے کے ناقابل گذر ہونے کے پیشتر سوار ہوگیا۔ اس آگبوٹ پر پالنسو من لوہے کا اسباب تھا یہ برقی روشنی اور اور چیزوں کی کلیں تھیں جو طہران کو لیجائی جا رہی تھیں لیکن سمندر کی لہروں کی سختی کی وجہہ سے اون کو اوتار نہ سکے۔ اسلیئے اب یہ دوسری دفعہ باکو کو لیجائی گئیں۔ کیونکہ ایکدفعہ پیشتر بھی ایک حادثے کی وجہہ سے انہیں اوتارنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

ہوا اور خراب موسم اکثر انزیلی پر اوترنے سے روکتے ہیں۔ کئی دفعہ تحریک ہوئی ہے کہ کھاڑی کے منہ کو اسقدر گہرا کر دیا جائے کہ آٹھ سو ٹن کا آگبوٹ آسانی سے اندر جا سکے۔ لیکن اس کام کے اخراجات اسقدر بڑے ہیں کہ اس کے عوض میں جو نفع ہونے کی امید ہے وہ اون کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ آسترا۔ اور لینکورن میں بھی جہاں انزیلی اور باکو کے درمیان جہاز ٹھیرتا ہے اوترنے میں ویسی ہی تکالیف پیش آتی ہیں۔ اگر کبھی ساحل ہی کا شوق

اور ہمدان تک ریلوے بنانے کا ارادہ ہو جہاں پہ بغداد ریلوے کو جا ملے تو اس حالت میں یہ ہر طرح سے اچھا ہوگا کہ ساحل کے ساتھ ساتھ ایک ریلوے بنا کر رشت اور باکو کو ملایا جاوے جو آستارا اور لنکوران میں سے ہو کر گذرے ٭

ساحل کا ملک چانول کے واسطے مشہور ہے۔ جنگل اور بحر میں بہت کثرت سے آمدنی کے ذرائع موجود ہیں۔ جب ملک آمد و رفت کے واسطے کھل جائیگا تو بہت سا مقامی کاروبار شروع ہو جائے گا اور باکو کی زیتون کی تجارت سے بہت فائدہ ہوگا۔

میں یقین کرتا ہوں کہ روسی جانتے ہیں کہ تقریباً تین میل کے ساحل پر ریلوے بنانا جس میں تجارتی آسانیاں بکثرت ہیں اس سے آسان ہوگا کہ بندرگاہ کی عدم موجودگی لہروں کا زور توڑنے والے پشتے اور محفوظ لنگرگاہوں کو بنایا جائے اور جہازرانی کے قابل نہریں کھودی جائیں دو تہائی فاصلے تک۔ یہ سڑک روسی عملدرآمد میں ہوگی ٭

میں انزلی میں ایک حبشی مصور کو ملا جس سے میری واقفی طہران میں ہوئی تھی۔ جہاں اوس نے وہاں کی زندگی اور منظر کی بہت اچھی اچھی تصویریں کھینچی تھیں وہ عناصر کی بڑے زور سے شکایت کرتا تھا۔ خاصکر بارش اور کیچڑ کی۔ اوس کو واپس آتے وقت بہت کم آرام کے وسائل میسر آئے تھے۔ آرام کو ایکطرف بلکہ بہت تکلیف ہوئی تھی جب وہ ڈاک کے جہاز کی طرف جا رہا تھا۔ تو اوس نے ایران کیطرف تھوک کر ان الفاظ میں اپنی نفرت ظاہر کی۔ آق۔ آق کیسا برا ملک ہے۔ خدا نہ کرے کہ میں پھر یہاں آؤں جب میں نے اوس سے طہران اور اس کے قلب کا ذکر کیا تو اوس نے اقرار کیا کہ میں وہاں بہت خوش تھا اور اس جگہ کو بھی پسند کرتا ہوں۔ مگر ایران کی تمام خوشگوار یادگاریں سب بارش اور کیچڑ کے سمندر میں غرق ہو گئی ہیں ٭

باکو تک کے بحری سفر میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ آستارا کے نام کے دو مقام ہیں ایک ایرانی اور دوسرا روسی اور اون کے درمیان سرحدی ندی ہے

آگبوٹ نے ایک حصہ رات کا پہلے مقام پر گذارا اور پھر صبحکو تین میل چلکر دوسرے مقام کے سامنے کے ایک لنگر گاہ پر جا پہنچے۔ وہاں روسی چنگی خانہ کے افسر اسباب کے ملاحظہ کے واسطے جہاز پر آ پہنچے۔ جہاز کا اوّل میٹ بھی تلاش میں شامل تھا۔ اور ایک مسافر کے اسباب میں ایک زنگ آلودہ پستول کو پاکر بہت خوش ہوا۔ یہ سوال پیش ہوا کہ آیا پستول بھری ہوئی ہے یا خالی اوس نے اس کے دریافت کرنیکا بیڑہ اوٹھایا اوس نے گھوڑے طور پر اوپر اوٹھایا اور ہتھوڑی منہ میں رکھکر پھونکا اور انگلی کو ٹوپی کے سوراخ پر رکھا یہ دیکھنے کو کہ ہوا نکلتی ہے یا نہیں۔ تب اسنے بے وقوفی سے مجھ سے بیان کیا کہ یہ کسی ایسے ہتھیار کے بھرے ہوئے یا خالی ہونے کی بابت دریافت کرنیکا یقینی طریقہ ہے۔ اس وقت اسنے خیال کیا کہ پستول بھری ہوئی ہے مگر غور سے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ زنگ سے بند ہوگئی تھی ۔

میرا راستہ قسطنطنیہ کے راستہ جانے کا تھا۔ لیکن جب میں باکو میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ تفلس اور بیتون کی ریل کی سڑک نہایت ہی سخت طوفان اور غیر معمولی سیلاب کیوجہہ سے اسقدر پھیل گئی تھی کہ خراب ہوگئی تھی کہ بہت مدت تک تمام کاروبار بند رہا۔ میں اوجاری کو گیا جو باکو سے ساٹھہ میل کے فاصلے پر ایک اسٹیشن ہے۔ یہاں ایک اسکاٹلنڈ کے رہنے والے شریف آدمی نے میری بہت خاطر تواضع کی اوسکا نام مسٹر انیڈر ریوار کہارٹ تھا۔

وہاں اوس نے شراب بنانے کا پانی سے چلنے والا کارخانہ بنا رکھا ہے اور وہاں میں نے تفلس سے بذریعہ تار دریافت کیا کہ آیا مجھے ولیدیکاوکس تک گھوڑا گاڑی مل سکے گی۔ تا کہ وہاں سے ریل میں سوار ہو کر روس میں سے ہوتا ہوا گھر پہنچ جاؤں تو جواب آیا کہ یہاں ہیلوم کے جانیوالے مسافر جو سب کے سب ولیڈی کاوکس کی راہ سڑک سے جانا چاہتے ہیں تعداد میں اسقدر زیادہ ہیں کہ تمہیں اپنی باری کا کئی روز تک انتظار کرنا پڑیگا۔ چنانچہ اپنے مہمان نواز میزبان کے پاس چھہ روز تک ٹھیر کر میں باکو واپس چلا گیا وہاں سے جہاز پر سوار ہو کر پیٹروسک پہنچا اور ریل میں بیٹھکر ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ

ہوتا ہوا برلن کی راہ انگلستان کو روانہ ہوا۔

اب گردسنوجی کے قریب جو کہ قاف کے شمال کیطرف پیڑ دوسکت ولیڈی کا دکس ریلوے پر ایک اسٹیشن ہے۔ ایک مٹی کے تیل کا کھیت بن رہا ہے۔ ایک انگریزی کمپنی نے بہت سا خرچ کرنے کے بعد خوش قسمتی سے وہ چشمہ دریافت کر لیا ہے۔ جس کی امید میں انہوں نے اور اوروں نے بہت مدت تک کوشش کی ہے۔ کچھ مدت تک آوازے تیل کی موجودگی یا عدم موجودگی معلوم کرتے رہے اور بہت سے کنوئیں کھودتے رہے آخر کار اگست کے اخیر میں تین سو پچاس فیٹ کی گہرائی پر تیل معلوم ہوا اور یہ اتنے زور سے نکلا کہ زمین سے پانسو فیٹ اونچا چلا گیا یہ کنواں ایک پہاڑی کے پہلو میں تھا اور نیچے کی وادی پہلے سے خوب صاف کر دی گئی تھی۔ تاکہ تیل کا ایک بہت سا ذخیرہ جمع رہ سکے۔ لیکن چشمہ اسقدر زور سے بہہ رہا تھا کہ چند روز کے بعد تیل پشتے کے سر تک پہنچ گیا۔ اور اگرچہ اوس کو اونچا اور مضبوط کرنے کی بہت کوشش کی گئی۔ مگر تیل اس کے اوپر سے بہنے لگا۔ اور پشتے کے اوپر کے حصے کو بھی بہا کرلے گیا۔ لاکھوں گیلن تیل ضائع ہوا۔ اگرچہ بہتے وقت راستے میں تیل نے ایک اور ذخیرہ کو بھر دیا جو مخالف کمپنی کا تھا۔ اوس کے اپنے کنوؤں میں سے تیل بالکل نہیں نکلا تھا اتفاقاً بہتا ہوا تیل پشتے سے چار میل نیچے زمین کے ایک گہرے سے قطعے میں جا پہنچا اور اس میں جمع ہونے لگا۔

جب چشمہ اسطرح زور سے لگاتار بہتا رہا تو گردسنوج کے حاکم کو اس تیل کی رو کو نقصان کرتے ہوئے دیکھکر تشویش ہوئی اسلیئے اُسنے چارسو سپاہی انگریزی انجینیر کے حوالے کیئے جنکی باقاعدہ محنت سے پشتہ پھر تیار ہو گیا اور تیل کا سیلاب رک گیا۔ جس دوست سے ملنے یہ گیا وہ ۲۷ نومبر کو وہاں گیا تھا اوسوقت بھی اُس نے چشمے کو بیس فیٹ کی بلندی تک اچھلتے ہوئے دیکھا۔ جھیل تقریباً تین سو پچاس گز لمبی اور ایکسو بیس گز چوڑی اور پچاس سو ساٹھ فٹ تک گہری تھی۔ ۱۰ جنوری کو بھی چشمہ بہ رہا تھا۔ مگر

اس کے بعد بہت جلد ہی بند ہوگیا۔ اسی کمپنی کو پھر ایکدفعہ خوش قسمتی سے پہلے چشمے کے قریب ہی ایک اور چشمہ مل گیا۔ مگر یہ تعجب کی بات ہے کہ اور جتنی کمپنیاں تیل کی تلاش میں ہیں انمیں سے کسی کو ابھی تک ایک گیلن بھی تیل نصیب نہیں ہوا۔ اور تمام خوش قسمتی کا ایک ہی شخص کے حصے میں آجانے کا حال گلیڈ بیگ کی قسمت سے ملتا جلتا ہے جس کا ذکر گولڈن نمبر فلاں میں ہے۔

مسٹر سٹونز جو ضلع بطوم میں انگریزی کونسل ہے ۱۸۹۴ء کی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ روغن نفت (مٹی کا تیل) کی مانگ روس میں بوجہ اس کے ریلوں آگبوٹوں۔ کارخانوں اور دیگر بھاپ کے کاموں میں استعمال ہونے کے اسقدر بڑھ رہی ہے کہ عنقریب بحیرہ خضر کے آس پاس کے تمام کنووں کی پیداوار روس کے اپنے ہی ملک میں خرچ ہوا کریگی۔ بلکہ اغلب ہے کہ یہ مانگ کو پورا بھی نہ کر سکیگی۔ بلحاظ ان باتوں کے گروسنیج کے کنوئیں۔ جو روس کے وسطی ریلوے پر واقعہ ہیں بہت منفعت بخش ہیں۔ میں ۳۰ نومبر کو برف کی بوچھاڑ میں پیٹرووسک پر اترا۔ دیکھا تو تمام ملک موسم سرما کی برفانی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ یکم اکتوبر کو روس کی تمام ریلوں کے کرائے بہت کم کر دیئے گئے ہیں۔ اسمیں حکمت عملی یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملک میں آمد و رفت اور کاروبار کو بڑھایا جائے جسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام لوگوں کے خیالات میں فراخی ہوگی اور حالت اچھی ہوجائے گی۔

اب روس میں ریل کا سفر اور ملکوں کی نسبت کہیں سستا ہے بحیرہ خضر سے سینٹ پیٹرزبرگ کا لوٹرڈ فسٹ کلاس ٹکٹ ۴ پونڈ ۱۰ شلنگ کو ملسکتا ہے اور باقی درجوں کی شرح بہت کم ہے۔ گاڑیاں بہت آرام دہ ہیں اور نشستے کے کمرے بہت عمدہ ہیں۔

اگر پیٹرووسک سے باکو اور انزلی تک جہازوں کی روانگی کے وقت اچھی طرح معلوم ہوں تو آدمی لنڈن سے طہران تک چودہ روز میں جا سکتا ہے البتہ اس حالت میں استقلال سے سفر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کئی جگہ ریل

بدلنی پڑتی ہے اور ایک سو میل تک سرزمین میں ہٹھنا پڑتا ہے۔ پہلے سے شدید زندگی کا بھی تجربہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ مسافر اوس غریبانہ سامان پر گذارہ کر سکے جو اسے ایران کی چوکیوں پر میسر ہوگا۔ لیکن جو روسی سڑک آجکل بن رہی ہے اوس کے تیار ہو جانے پر گھوڑے کے سفر کے بجائے بہت جلد باآرام گاڑیوں کی سواری ملجایا کرے گی۔ اور سڑک پر چوکیاں بھی عمدہ طور سے حفاظت اور آرام کے سامان سے مہیا ہوں گی ؎

باب (۷)

شاہ عبدالعظیم کی مسجد اور خانقاہ جو طہران سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے شہر کے لوگوں کے واسطے ایک مشہور مرجع عام ہے چونکہ یہ گنجان آباد محلہ کے قریب ہے۔ اسلئے یہ ایک مذہبی جگہ ہونے کے علاوہ لوگوں کے واسطے تفریح گاہ بھی ہے۔ اکثر فرمانروایان ملک اس خانقاہ کا ادب کرتے رہے ہیں خاصکر موجودہ خاندان کے بادشاہ جمعہ کے روز جو مسلمانوں کا ہفتے میں خاص عبادت کا دن ہوتا ہے اور جسکے معنے ہیں جمع ہونے کا دن بہت سے لوگ شاہ عبدالعظیم کی خانقاہ پر جاتے ہیں ؎

یکم مئی بروز جمعہ کو اس خانقاہ میں ایک نہایت ہی افسوسناک واقعہ ہوا جس کی نظیر ایران میں نہیں ملسکتی۔ اسروز ناصرالدین شاہ قتل کیا گیا تھا یہ وہ شہنشاہ تھا جو عنقریب اپنی الیسی سلطنت کا جشن جوبلی کرنے کو تھا جو نہ صرف اپنی غیر معمولی لمبائی عمر کے واسطے ہمیشہ مشہور رہے گی۔ بلکہ اپنے امن و چین اور ہر دلعزیزی کے واسطے بھی بے نظیر رہے گی اس ہر دلعزیزی کا ثبوت یہ ہے کہ شاہ ناصرالدین تین مرتبہ اپنے ملک کو چھوڑ کر یورپ گیا اور ہر مرتبہ جب واپس آیا تو۔ رعایا نے بڑے تپاک سے اسکی آؤ بھگت کی

یہ مشرقی تواریخ میں ایک ہی مثال ہے ؎

جب پچھلے اکتوبر میں مجھے اس سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا تو مجھے مطلقاً یہ خیال نہیں تھا کہ یہ بادشاہ جس سے لوگ محبت کرتے ہیں اور اسکی مداح ہیں اور جو اسوقت اپنی جوبلی کے جلسے کا انتظار کر رہا تھا اسطرح اپنی رعایا کے درمیان جوبلی کے جلسے سے پانچ روز پیشتر ایک قاتل کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔

قطع نظر اوس کی شروع سلطنت کے واقعات کے جبکہ اوس کو بتقاضائے وقت اور بوجہ سازشوں کے خون بہانا پڑا۔ وہ آخری عمر میں موت کی سزا دینے سے اسقدر احتراز کرتا تھا کہ اوس کی یہ عادت ایک نقص کے درجہ کو پہنچ گئی تھی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک چور کے معاملے میں جو کئی خون کر چکا تھا اسقدر ڈھیل کی گئی تھی کہ یہ بڑی سوداگروں اور مسافروں کے واسطے مضر ثابت ہو رہی تھی۔ جب یہانتک نوبت پہنچی تو اسے قتل کی سزا دیگئی میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ کسطرح لوگوں کو شاہ مرحوم پر بھروسا ہو گیا تھا کہ وہ اپنے لوگوں کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور کسطرح اوس نے اپنے آپکو جنگی قبائل میں ہردلعزیز بنا رکھا ہے۔ اوس کی موت کا جرم کیا بلحاظ اوس کی جان کے جو ضائع کی گئی اور کیا بلحاظ اوس جگہ کے جہاں یہ جرم کیا گیا۔ بلاشبہ ایک خباثت کا کام سمجھا جائے گا۔ اگر اسبات کا بھی لحاظ کیا جائے کہ اس جرم سے خاندان قاچار کی طاقت کو برباد کرنے یا گھٹانے کا ارادہ کیا گیا تھا تو جرم اور بھی سنگین ہو جاتا ہے اکثر پیر ایرانیوں کے دل یہ خیال کر کے خوف سے بھر جاتے ہوں گے کہ اون کے اپنے ہی مذہب کے آدمی نے ایسی حرکت کرنے کی جرأت کی جو اون کے شہنشاہ کی رعایا میں سے تھا ؎

ایک بڑے سے بڑا مجرم بھی امن سے ایک مسلمان کی خانقاہ میں رہ سکتا ہے اور ہم نے سنا ہے کہان جگہوں میں با آرام رہنے سے مجرم کو اپنے اعمال پر

سوچنے اور توبہ کرنے کا موقعہ ملجاتا ہے۔ اسطرح وہ بہت سی برائیوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ ہم خیال کرسکتے ہیں کہ ایسی قوم کے دل کیسے تھرا جاتے ہونگے جبکہ وہ شاہ کے ٹھیک حدبندی کے زنجیر کو گذر کر دو زانو ہوتے وقت مارے جانے کا خیال کرتے ہونگے ؛

کہتے ہیں کہ قتل کی تحریک مشہور فسادی جمال الدین نے کی تھی جو اصل میں تو مغربی طہران میں ہمدان کا رہنے والا ہے۔ مگر افغان کے نام سے مشہور ہے چونکہ وہ کچھ مدت افغانستان میں رہ چکا تھا۔ اس لئے لفظ افغان اوس کے نام کے ساتھ مشہور ہوگیا تھا وہ ۱۸۹۱ء میں طہران میں بہت مشہور رہا۔ کیونکہ اوس نے بہت سی پرجوش تقریریں یورپی لوگوں کے دخل کے خلاف کی تھیں۔ میں نے سنا ہے کہ اوسی کی تحریک سے تمباکو کا ٹھیکہ ٹوٹا تھا اوسی نے تمام ایران کے ملاؤں کو اکسایا تھا اور قریب قریب ایک بغاوت پھیلا دی تھی اسمیں شک نہیں کہ جمال الدین نے طہران کے فساد میں بہت بڑا حصہ لیا۔ مگر وہ ایک بڑا سرگروہ نہیں تھا۔ جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں چونکہ یکایک اجنبیوں نے مزدوری کا باقاعدہ انتظام اور محصول آبکاری کے قواعد کو شروع کردیا جسکی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ بے شمار چھوٹی چھوٹی دوکانوں کی بجائے چند گودام قایم ہوئے اسلئے چھوٹے چھوٹے سوداگروں کی جیکا رفع جسکا یہ آبائی پیشہ تھا برسر پرخاش ہوگئی۔ جنہوں نے لوگوں کے خوف اور خیالات کو بڑھا دیا۔ تب ملا اور دوسرے لوگ سرغنے بن گئے اور ٹھیکہ کو توڑ دیا۔ جمال الدین جیسے آدمی کی طبیعت کے یہ نہایت موافق تھا کہ وہ ایسے وقت طہران میں موجود تھا اور وہ ایک نہایت پرجوش مقرر ہوگیا۔ پہلے پہل وہ صرف تمباکو کے اجارے اور تمام یورپی مہموں کے خلاف تقریریں کرتا رہا۔ اور جب اوس کی سخت تقریروں کی سزا دلوانے کی کوشش کیگئی تو شاہ نے کہا کہ ایران میں مدت سے تقریر کی آزادی ہے اور یہاں عموماً الفاظ اعمال کا کام دیتے رہے ہیں۔ لیکن جمال نے اس آزادی کا غلط مطلب سمجھا اور وہ

رفتہ رفتہ یہانتک دلیر ہوگیا کہ اوس کی تقریریں قابل برداشت ہوگئیں وہ بادشاہ کی نفرت کو بھی اپنے دل میں نہ چھپا سکا اور اپنی یہ رائے ظاہر کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ایران کو شاہ اور اوس کے خاندان قاجار کے ہاتھوں سے رہا کرنا چاہیئے۔ اسے منع کیا گیا مگر وہ دلیل کو کب سنتا تھا۔ تب اسکے گرفتار کرکے یہ سنا دیا گیا کہ تم ایران سے بدر کئے جاؤ گے۔ جب سپاہی اوسے طہران کو لیجا رہے تھے وہ کوشش کرکے راستہ میں بھاگ گیا اور شاہ عبدالعظیم کی خانقاہ میں پناہ لی جہاں یکم مئی کو اس کے ساتھی مرزا محمد رضا نے شاہ کو مہلک زخم پہنچایا۔ تب جمال نے اپنی پناہ گاہ سے گورنمنٹ کے ساتھ خط و کتابت شروع کی اور آخرکار اوسے بآرام ایران سے باہر چلے جانے پر راضی کیا گیا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ اوس کو جانے کی اجازت دینے میں اوس کے ساتھ بہت فیاضانہ برتاؤ کیا گیا۔ مگر مجھے معلوم ہے کہ اوس کو اسپر بھی شکایت تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ شاہ سے سخت نفرت کرتا تھا اور اصرار ہو میں وہ کسی کی نہیں سنتا تھا۔ ایران چھوڑکر وہ قسطنطنیہ چلا گیا جہاں کہا جاتا ہے کہ اوسکو شاہ کے خلاف نفرت انگیز تقریریں کرنے کی پوری پوری آزادی دیگئی۔ آخر شاہ نے سلطان کو ایک نامہ لکھا جس کے جواب میں سلطان نے لکھا کہ جمال علمی شغل کیواسطے کسی علیحدہ جگہ کو جا رہا ہے۔

جمال الدین ہمدان کا رہنے والا ایرانی رعایا تھا اور شیعہ مسلمان تھا اگرچہ اپنی آسانیوں کے واسطے وہ سنیوں کے ملک میں سنی بن بیٹھتا تھا۔ جب ۱۸۹۰ء میں وہ بطور ایک عالم کے طہران میں آیا تو شاہ نے اس سے بہت اچھی طرح سلوک کیا اور کہتے ہیں کہ اس نے شاہ کی میزبانی کو منظور کیا اور اس سے بہت محظوظ ہوا۔ مگر اسپر بھی وہ اپنے شاہی میزبان کے خلاف سازش کرنے اور خاندان قاجار کو برباد کرنے کی کوشش سے باز نہ آیا۔ غالباً اسوقت اپنے ایران کے قیام میں اس کو بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ شاہ کا تسلط لمبی اور باامن حکومت کیوجہ سے اور حلیم طبیعت

کے سبب سے لوگوں کے دلوں میں اسقدر جاگزین تھا کہ اوس کی زندگی میں بغاوت کر کے کامیاب ہونے کا کوئی موقعہ نہیں تھا اور یہی وجہ ہے اوس کے قتل کا اہتمام کیا گیا ہوگا۔

جمال الدین کی بابت اہل مشرق میں مشہور ہے کہ وہ دوسروں میں جوش پھیلانے اور اون پر اپنا اخلاقی اثر ڈالنے کی بڑی زبردست قدرت رکھتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوسکا شاگرد محمد رضا بھی اپنے اوستاد کی طرح مہربانی کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا تھا اور نیکی کے بدلے برائی کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا۔ جمال الدین کی اصلاح ایران کے پروگرام کا پہلا حصہ پورا کرنے کے واسطے وہ نہایت ہی موزوں آدمی تھا۔ لیکن یہ نہیں سوچا گیا کہ اس قتل سے الٹا نقصان ہو۔ شاہ عبد العظیم جیسے بزرگ کے مقبرے میں ایسے جرم کے ہونے سے لوگوں کے دل پھر گئے ہیں اور اسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ جمال الدین کے مدعا کی بڑے زور سے مخالفت کیجائے اور اب لوگ خاندان قاچار سے اور بھی زیادہ محبت کریں گے۔

جمال الدین نے شیعہ اور سنیوں کے اتحاد کی غرض سے ایک میٹنگ بھی کی تھی۔ سنی فرقے کے بڑے بڑے ترقی یافتہ لوگوں میں اکثر یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ اوس نے بیان کیا اگر یہ دونوں فرقے آپس میں ملکر اپنا دین و مذہب ایک کرلیں تو اسلام کو بہت فائدہ ہوگا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ان خیالات میں بہت رہتبازی سے کوشش کرتا تھا اور ایران میں اسکا بیج بونے میں کامیاب بھی ہو گیا۔ کیونکہ اب بھی وہاں کبھی کبھی اس مضمون پر بحث ہوتی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غیر ملکوں سے پیدا ہوا تھا۔ اور اکثر جمال الدین جیسے جوشیلے آدمی اس کو ملک میں پھیلاتے رہے ہیں جنہوں نے اپنے ایرانی دینی اور ملکی فخر کو اس خواہش سے بدل دیا ہے کہ وہ اسلام کو قسطنطنیہ سے پیکن تک حکومت کرتا ہوا دیکھیں۔ یہ خواہیں دیکھنے والے لوگ ان باتوں کو بھول گئے ہیں جن کو ایران کے دانا اور مولوی خوب جانتے ہیں۔

شیعوں کے مذہبی خیالات ہی کی وجہہ سے ایران کی قومی حیثیت اب تک قایم ہے۔ بغیر اس کے اون کی قوم کے کبھی کے شیرازے بکھر گئے ہوتے۔

تمام ایران میں ہر سال حضرت علی کی اولاد کی شہادت کے یاد کرنے کو کھیل کئے جاتے ہیں اور روزے رکھے جاتے ہیں جنھیں تعزئوں کر کالیاں منائی جاتی ہیں۔ انہیں رسموں کی بدولت ایرانیوں کی حب وطن اور آزادی کا فخر قایم ہے کیونکہ ایرانی مذہب اور حب وطن کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں غالباً دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں جہاں ملک اور مذہب ایسے پورے اور مفید طور پر ملے جلے ہوں۔ اگر بادشاہ شیعہ نہوتا تو یہہ ملک مدت کا سُنی ہمسایوں میں تقسیم ہو چکا ہوتا۔ سُنی لوگ خیال کرتے ہیں کہ "بدولت رافضیوں ہی کا قتل کرنا ایک نہایت پاک کام ہے اور انکا غلام بنا لینا بہت ہی اچھا ہے۔ تاکہ کفار عبرت پکڑیں اور سچے اسلام میں داخل ہو کر جہنم کے عذاب سے نجات پائیں" سُنیوں کا یہ خیال یا تو شرارت پر مبنی ہے تاکہ دونوں فرقوں میں نفاق ڈلوا کر ایران کو ترکی اور افغانستان سے علیحدہ رکھا جائے اور اپنا سکہ بیٹھا یا جائے) یہی وجہہ تھی کہ ہر زہ اور دریائے اکسس کے کنارے چھوٹے چھوٹے علاقوں کے شیعہ لوگ سنیوں کے ہاتھوں غلاموں کی طرح بکے اور ترکی منڈیوں میں شیعہ سرکاشیوں کی خرید و فروخت اسی بناء پر جائز رکھی گئی تھی۔ مدتوں کے تجربے سے شیعہ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ اگر ایکدفعہ ہم سنیوں کے قبضے میں آگئے تو بالکل مجبور ہو جائینگے ایرانیوں کے دلوں میں یہ خیال ایسا سما گیا ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنے سُنی ہمسایوں کو تیار دیکھکر سخت رنج کرتے ہیں اور یہ خیال اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔

۱۸۵۲ء میں ہرات کے بازار میں شیعہ اور سنیوں میں جھگڑا ہوا۔ جسکا انجام یہ ہوا کہ بہت سے شیعہ لوگ مارے گئے اور انکا اسباب لوٹا گیا کیونکہ سُنی مولویوں نے یہ فتوے دیدیا تھا کہ شیعہ مشرکوں کا جان و مال

سنیوں کے واسطے جائز ہے۔ تب مشہد کے ملاؤں نے شاہ سے یہ قصہ
بیان کیا اوس نے امیر عبدالرحمن کی طرف شکایت لکھی چونکہ امیر ایک
سخت مضبوط اعتقاد کا حاکم تھا اوس نے اس کا کافی تدارک کر دیا۔ مذہبی سختی
افغانستان میں بہت سخت ہے اگر کابل کے قزلباش جتنا جو طبیعت کے
اندر اچھے رہنے والے ہوتے تو متعصب ملا انہیں کبھی وہاں رہنے
نہ دیتے۔

مشترک خطرے کی وجہ سے تمام قزلباش ہمیشہ یکجا رہتے ہیں اور ہر
وقت ہتھیار باندھتے لڑ کر اپنی جان بچانے کو تیار رہتے ہیں اور ایک
ایسی طاقت بن گئے ہیں جس سے حاکم صلح رکھنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ
وقت پر وہ اون کی مدد کریں۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے شیعی ہو لوگ
دو حاکموں پر ہرگز نہیں دب سکتے ہیں بلکہ جنرل سر ولیم میکناٹن کے
اور سید ... مرحوم کے ساتھ تھا جبکہ وہ کشتی کا تذکرہ ... سے امیر شیر علی
سے لوہرا دہری باتیں کر رہا تھا اثنائے گفتگو میں امیر نے نکتہ چینی کے طور پر دوستو
عیسائیوں کے مقابلے میں دشمن اختلاف پر (جیسا کہ وہ اوسے کہتا تھا) بہت سخت
کیہ مدد ... سے جواب دیا کہ اسلام میں تو دو بڑے بڑے متفرق فرقے ہیں اور جیسا آپ
کابل میں ہیں بہت سے شیعہ ہیں تو اس وقت شیر علی کے چہرے پر غصے کے آثار
ظاہر ہوئے اور منہ دوسری طرف پھیر کر اوس کے پیچھے بیٹھے ہوئے کہا کہ ان
کتوں میں سے بعض باقی رہ گئے ہیں مگر آخر میں ہلاک کئے جائینگے۔

شیعہ اور سنیوں کے جھگڑے ترکی اور ایران کے سیاسیات کو بہت ... متعلقات
کو برباد کرتے رہتے ہیں۔ ایک دفعہ یہ ایسا واقعہ تھا۔ سولہویں صدی عیسوی کے
ترکی سلطنت نہایت زبردست عروج پر تھی ایران کے حق میں ... سخت
دشمن تھا ترکی فوج قسطنطنیہ سے شمال و مغرب کی طرف اپنی فتوحات
بڑھانے کو رکا اور اس طرح آسٹریا اور روس کو بہت فائدہ ہوا۔

چنانچہ شدت سے یہ بات ... علی کا ... تھے کہ سنی اور شیعہ
میں اتحاد پیدا کیا جائے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسٹریا کو اس طرح ترک کے برابر

کا خوف طاری ہونے کی وجہ سے فایدہ پہنچا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ ایران کے سیاسی تعلقات اوسی وقت سے انگلستان اور روس کے ساتھ قایم ہو گئے آسٹریا ہمیشہ سے ایران کا بڑا دوست رہا ہے۔ آسٹریا کے افسر مدت تک ایرانی فوج میں نوکر رہے ہیں۔ اور شہنشاہ فرانس اور جوزف اور شاہ ناصر الدین کے صرف ایک ہی سال ۱۸۴۸ء میں صرف تین مہینے کے فرق سے تخت نشین ہونے کو موخر الذکر نہایت خوش قسمتی سمجھتا تھا۔ اور دوستانہ تعلقات کے مضبوط ہونے کا باعث خیال کرتا تھا۔ یہاں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا ہے جو طہران کے آسٹرین سفارتخانے میں ۱۸۹۱ء میں جمال الدین کی جلاوطنی کے بعد وقوع میں آیا محمد رضا جسنے شاہ مرحوم کو قتل کیا تھا ایران میں ہی رہا اور سازشیں پہیلانے کی کوشش کرتا رہا جنکو اول جمال نے شروع کیا تھا۔ یہانتک کہ اوس نے چہپے ہوئے کاغذوں کے ذریعہ سے اپنے خیالات کی اشاعت شروع کردی جو چہاپہ اس کام میں استعمال کیا گیا تھا وہ بہتر کا تھا۔ آسٹرین سفارتخانے میں چند آدمی ملازم تھے جنمیں سے ایک کہیں جمال کی پوشیدہ انجمن میں جا پہنسا اوسے ترغیب دی گئی کہ تم پریس اپنے گہر میں لگالو۔ جیسا کہ عموماً واقعہ ہوتا ہے ایک شخص اون میں سے اپنے ساتھیوں کا بہید فاش کرنے پر تیار ہو گیا۔ اور پولیس گرفتاری کے کام میں ایسی مشغول ہوئی کہ سپاہی بغیر اون حقوق کا خیال کئے ہوئے جو کسی اجنبی سفیر کے ملازم کو حاصل ہوتے ہیں مرزا کے گہر میں گہس آئے۔ جبکہ وہ بغاوت آمیز کاغذات چہاپ رہا تہا اور پیشتر اس کے کہ سفیر کو اس معاملے کی اطلاع ہوتی وہ مرزا کو قید خانے میں لے گئے۔ خبر ہونے پر سفیر نے حقوق بین الاقوام کے پامال ہونے کی سخت شکایت کی فوراً اوسکی پوری پوری تسلی کیگئی۔ پولیس کے حاکم نے آکر معافی مانگی۔ اور قیدی کو رہا کرکے سفارتخانے میں بہیج دیا۔

سفیر نے تب اپنے طور پر تحقیقات کی اور مجرم ما قابل انکار ثبوت پاکر اوس نے مرزا کو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا۔ تب ایرانی حکام نے بلا روک اوس کو گرفتار کر لیا۔ اور آخرکار محمد رضا اوس کے ساتھیوں کے ہمراہ چہوڑ دیا گیا۔

طہران کے ہم مشرب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد رضا اس طرح عام طور پر گورنمنٹ سے اپنی نفرت ظاہر کرتا رہا اور وہ ایک دفعہ پھر قید کیا گیا۔ مگر رہا ہو گیا۔ شاہ نے اوس کے واسطے پنشن مقرر کر دی مگر اسپر بھی وہ خوش نہوا جیسے روپیہ وصول کر لینے ڈاکوؤں کی عادت ہوتی ہے۔ لالچ اونکو اکساتا رہتا ہے جیب بھرنے کی قیمت جو دی جاتی ہے وہ کافی نہیں ہے آخر عمر میں مظفر الدین شاہ کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ وہ بعضوں سے نرمی کیساتھ سلوک کرتا تھا اور سختی کو پسند نہیں کرتا تھا۔

جمال الدین کی اسلام کو پھر اوٹھانے اور دو لخت فرقوں کو ملا کر ایک کرنے کی تجویز کی بابت جو کچھ حکم معلوم ہے اوس سے صاف ظاہر ہے کہ آیول کو شاہ عبدالعظیم کی خانقاہ کے اندر بے مطلقاً کوئی لحاظ نہیں تھا۔ کیونکہ ایران کے بابیوں اور جمال الدین نے ہم لیسوں میں کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ بابی مشتی کو بالکل پسند نہیں کرتے عام طور پر وہ خطا نہیں کرتے اور چپ چاپ برداشت کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ جمال الدین کے پیرو شنے اوزار سے شکار کر سکتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔

جب نادر شاہ تخت پر بیٹھا تو اوس نے اسبات پر زور دیا کہ ایرانی لوگ شیعہ مذہب کو چھوڑ کر سنی مذہب اختیار کر لیں اور اوس نے جہانتک اوس کے امکان میں تھا کوشش کی کہ مولوی لوگ اوس کے ناقابل انکار حکم کی تعمیل کریں۔ لیکن بے فائدہ دو دشمن فرقوں کے اختلاف کی غار کو پُر کرنا نہیں ہو سکا اور ایرانی شیعہ مذہب پر قائم ہے۔ خیال اور تقریر کی آزادی ایرانیوں میں کچھ دقت ہی بہت کم حقوق ہیں اونکے دلوں نے مذہب کی سخت بندشوں کو کبھی قبول نہیں کیا اسلئے وہ ہمیشہ امور مذہبی اور قومی پر یکساں آزادی سے بحث کرتے رہے ہیں اون کو ایک نئے مذہب کے منطق کی کوئی ضرورت نہ تھی اور یہ سمجھ کر کہ تبدیلی سے تکلیف ہو گی وہ فوراً ملاؤں کے ساتھ ہو گئے اور کشتی ہونے سے انکار کیا۔ نادر کا لایا

روس کے مذہب کی محبت پر غالب تھا اور سب کو ایک مذہب میں لانے سے روس کی یہ غرض تھی کہ ہندوستان۔ افغانستان وسط ایشیا اور ایشیا کوچک کے شیعوں میں اپنا تسلط جمانے میں کوئی روک ٹوک باقی نہ رہے۔ شیعوں کو اسلام کی دوسری شاخ میں شامل ہونے کا حکم دیکر روس نے قسطنطنیہ کے بادشاہ کو سب مسلمانوں میں اتفاق قایم کرنے کی بابت اپنے اعلیٰ ارادے کی اطلاع دی؛

جب ایران میں اسلام پھیلایا گیا تو یہ اور ملکوں کے مفتوحین کا مذہب تھا لیکن اس نے یہاں بھی وہ اثر پیدا نہیں کیا جو اور ملکوں میں کیا تھا علاوہ اس کے چونکہ ایرانی آزاد خیال اور قصوں اور نظموں کے دلدادہ ہوتے ہیں اسلئے یہ شیعہ مذہب کیطرف جھک پڑے اور عربی خلافت کے زوال کے بعد یہ ان کا قومی مذہب ہو گیا۔ اب سنا جاتا ہے کہ جمال الدین کا قسطنطنیہ کے مذہبی افسر سے تعلق تھا ضرور ایسا ہی ہوگا کیونکہ اوس کی ایران کی تقریروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسی ہی تحریک کرنا چاہتا ہے جس سے اسلام پھر دنیا پر اوسی اعلےٰ درجہ کو پہنچ جائے جو اسے پہلے حاصل تھا؛

باب (۸)

تاتار کے بڑے بڑے قبیلوں میں جنہیں سے شاہی خاندان قاجار ہونیکا دعویٰ کرتا ہے اس بات کی طرف بہت توجہ کیجاتی ہے کہ جو شخص کسی اعلےٰ عہدے کا دعویدار ہے اس کی ماں کس خاندان میں سے ہے اسلئے ایران میں تخت کے دعویداروں کے بارے میں جو آجکل خاندان قاجار میں سے ہوتے ہیں ضرور خیال کیا جاتا ہے کہ آیا اوس کے والدین دونوں شاہی نسل سے ہیں اسی وجہ سے مظفرالدین مرزا شاہ مرحوم کے دوسرے بیٹے کو

جنکی ماں خاندان قاچار میں سے تھی بڑے بیٹے سلطان مسعود مرزا پر ترجیح
دیگئی ہے جو ظل سلطان کے نام سے مشہور ہے۔ شاہان قاچار کا یہ دستور
رہا ہے کہ وہ اپنے ولیعہد کو دارالخلافہ سے دور رکھتے ہیں اور وہ آذربیجان کا
جو کہ ایران میں ایک نہایت عمدہ اور زرخیز علاقہ ہے برائے نام گورنر جنرل
مقرر ہوتا ہے۔ اوسکا دارالخلافہ تبریز ہے جو کہ روس اور دوسرے غیر ملکوں
کے تجارتی تعلقات کی وجہ سے ایک بہت بڑا تجارتی اور بارونق شہر ہے۔
مظفرالدین شاہ کی والدہ کو شاہ مرحوم کے دربار میں آخری دم تک بہت
رسوخ حاصل تھا اور عمر بھر با قدر رہی آخرکار ۱۸۹۲ء میں اس جہان فانی سے رحلت
کوچ کر گئیں۔ ایک مرتبہ جبکہ مظفرالدین شاہ کے خلاف بہت سی سازشیں
ہو رہی تھیں اور بری بری افواہیں اڑ رہی تھیں تو اوس کی ماں نے بڑی
ہوشیاری سے اوس کے حقوق کو پامال ہونے سے بچایا۔ جب وہ فوت ہوگئی تو
اوس کے دوستوں کو خوف ہوا کہ اب کوئی اس کے حقوق کا محافظ نہیں رہا
لیکن صدر اعظم جو بوقت امین السلطان کے نام سے مشہور تھا۔ بادشاہ اور
لوگوں کے خیالات کو اچھی طرح سمجھکر فوراً مظفرالدین کی ماں کی بجائے خود
اوس کے حقوق کی حفاظت کرنے لگا اور لوگوں کو شاہ مرحوم کے مقرر کردہ
ولیعہد کو بامن تخت پر بٹھا کر اوس کی وصیت کے پورا کرنے کی ہدایت کی

مظفرالدین شاہ کے چال چلن قابلیت اور طبیعت کی بابت بہت سے
خیالات دوڑائے گئے ہیں۔ میرے خیال میں جن لوگوں کو اوسکے جانچنے
کا موقعہ ملا ہے اونہوں نے عام طور پر اوس کی بابت اچھی رائے قایم کی ہے
وہ نرم مزاج اور خوش اخلاق ہے اور اگرچہ حقیقتاً ضعف دور اندیشی وہ ولیعہد
ہونے کی حالت میں کسی ملکی انتظام میں دخل نہیں دے سکتا تھا۔ تاہم
بعض اوقات ایسے پیش آئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قابل حاکم ہے
اوس کی حالت ایسی تھی کہ اسے بادشاہ کے حکم سے روگردانی ظاہر کرنی مناسب
نہ تھی۔ وہ اسبارے میں اوس نے ایسی عقلمندی سے کام لیا کہ کبھی اپنے خلاف
شک کا موقعہ نہیں دیا۔ صرف ٹیک کامیابی سے ایسی باتوں سے بچتا رہا۔

جن سے بادشاہ کے خیالات کو صدمہ پہنچتا اور وہ اُسے ہمیشہ ایسا سعید اور وفادار رعیت خیال کرتا تھا اوس کی حالت بڑی نازک تھی اور چونکہ اوسنے شاہ کی مرضی کے مطابق اپنے آپکو رکھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اوس میں دور اندیشی صبر اور دانش کی صفات موجود تھیں ٭

مظفر الدین مرزا کے ساتھ بہت مدت تک بطور قائم مقام یا وزیر کے مشہور ومعروف امیر نظام مقیم رہا - اور آذربیجان کا اصلی حاکم وہی تھا - کیونکہ شاہ علاقے کے نظام کا ذمہ وار اوسی کو سمجھتا تھا اور وہ ایک بڑا زبردست آدمی تھا اور آذربیجان میں اوسکو بہت رسوخ حاصل تھا نہ وہ اپنی دولت کی وجہ سے بھی ایک بڑا آدمی تھا اسلئے یہ تعجب کی بات نہیں کہ وہ اپنے آپکو آزادانہ خیالات کا مستحق سمجھتا ہو - تمباکو کے اجارے کی عملی مخالفت پہلے تبریز سے ہی شروع ہوئی تھی اور کہتے ہیں کہ اوس نے گورنمنٹ عالیہ کی مرضی کی مخالفت کرنے پر اکسایا تھا - اسوجہہ سے شاہ نے اُسے سنہ ۱۸۹۱ء میں طہران بلوالیا - اور سنہ ۱۸۹۲ء میں اسے کردستان اور کرمانشاہ کا حاکم مقرر کردیا جہاں وہ ابتک کام کر رہا ہے

امیر نظام کے بعد حاجی مرزا عبدالرحیم قائم مقام مقرر ہوا جو پہلے قسطنطنیہ میں ایرانی سفیر تھا - امیر مرزا بھی پہلے فرانس میں سفیر رہ چکا تھا اس لئے ان دونوں لائق وزیروں کے پورے تجربے کیوجہ سے ولیعہد کی تربیت میں اور بھی ترقی ہوئی - عقلمند مصاحبوں کے ساتھ رہکر اس نے وہ علم حاصل کیا جس سے نہ صرف وہ عوام الناس کے فایدہ کی باتوں سے آگاہ ہو گیا - بلکہ اوس کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کون کون سی باتیں ایک شہنشاہ کے شایان ہیں - اوس کی بابت یہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے خیالات میں دوستوں سے بالکل ملتا جُلتا ہے وہ مدت تک تبریز میں مقیم رہا - جہاں اوس کی وسیع سلطنت کی پوری طاقت اوس کی آنکھوں کے سامنے تھی - اگر اسپر بھی اس کو زار کی خیر خواہی حاصل کرنے کی اشد ضرورت محسوس نہ ہوتی تو بڑے تعجب کی بات تھی - اور ہمیں پورا یقین ہے کہ دونوں وزیروں نے بھی یہی نصیحت کی ہوگی

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ مظفرالدین شاہ کا دل صرف ایک ہی طرف جھکا ہوا ہے۔ اوس کی موجودہ اور گزشتہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو اسبات کا پورا یقین ہے کہ انگریز اوس کے ساتھ بہی دنیا میں دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں جیسا اوس کے والد کے ساتھ تھے اور وہ ایران کو مضبوط خوشحال اور خود مختار دیکھنا چاہتے ہیں ۔

جب امیر نظام تبریز میں تھا وہ اپنی کوشش سے انتظام کرتا تھا کہ شہزادے کے کرنے کا کوئی کام نہیں رہتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ملکی کاروبار میں زیادہ حصہ لینا بھی مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ وہ زیادہ تر ایک دیہاتی شریف کی طرح سادہ خوشیوں میں مشغول رہتا تھا وہ اپنے گھوڑوں کے گلہ سے بہت دلچسپی لیتا تھا۔ ہر شہر کی عمدہ چراگاہوں میں جہاں اور دیہات کے قریب ہیں وہ اپنے باپ کی طرح بہادر ہے۔ عمدہ سوار ہے اور بندوق رائفل اور شکار کے شکار میں بڑا ہوشیار رہتا ہے۔ جبکہ وہ میدان میں رہنے کا بڑا شائق ہے اسلئے لوگوں کے ساتھ بہت کم واسطہ پڑتا ہے [illegible] اور اسی طرح اوس کی خوش اخلاقی میں کچھ بہت فرق نہیں جبکہ اسلئے وہ مشہور ہے اوس میں ایک خاندانی سردار کے بہت سے خوشگوار وصف ہیں اور امیر نظام کے جلدی نے پیدا کی ذاتی خوبیاں اور ہمدردی سے اپنی رعیت کو پیدا کرنے کی وجہ سے اسکی حکومت بہت ہر دلعزیز ہو گئی ہے ۔

جب اوس کو دربار اپنے عہدوں کی وجہ سے روپیہ ملتا ہے تو ولیعہد ہونے سے بیشتر تجارت کرتا تھا اس طرح وہ مناسب طریقے سے ابھی حکومت ہی قائم رکھتا تھا روپیہ جمع کرنے کی خواہش ہنوز نہ رکھتا تھا لوگ یہ سمجھتے تھے اور اوس کی عزت کرتے تھے کیونکہ وہ ایسے موقعوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا اگر کسی اور کو ملتے تو بہت سی دولت کما لیتے۔ اخباروں میں کئی دفعہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ ظل السلطان نے اصفہان سے بہت سا روپیہ کما کر دوسرے ممالک کے بینکوں میں جمع کرا دیا ہے

یہاں مظفرالدین شاہ کے دو بڑے بیٹوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے

بڑا علی مرزا جو بیس سال کی عمر کا ہے اوسکی ماں مرزا تقی خان امیر کبیر کی بیٹی ہے جسکی بیوی شاہ مرحوم کی پیاری ہمشیرہ تھی دوسرا ملک منصور پندرہ برس کی عمر کا ہے جسکی ماں خاندان قاجار کے شہزادے اسمعیل مرزا کی بیٹی ہے دوسرے کی بابت کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک پیارا اور دلربا نوجوان ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ شاہ بھی اُسے چاہتے ہیں دوسروں کو نہ کوئی جانتا ہے اور نہ اونکا ذکر کیا جاتا ہے لیکن یہہ کہا جا سکتا ہے کہ خلافت علی مسعود کے نصیب یقینی معلوم ہوتی ہے -

قدرتی طور پر ولیعہد کے لئے اپنی صحت کا خیال رکھنا نہایت ضروری تھا - اول تو اوس کی آئیندہ حالت اسی پر موقوف تھی اور دوسرے لوگ یہ چاہتے تھے کہ جانشینی میں کوئی خلل واقعہ نہو - کیونکہ تبدیلی سے تمام ملک میں بے اطمینانی اور بے آرامی ہوتی جب ۱۸۹۲ء میں میں تبریز گیا جو اسوقت ولیعہد کے دربار میں تین حکیم تہے ایک حکیم باشی مرزا محمد خان تھا یہ شخص ایک ایرانی تھا جو بڑا عالم اور اپنے پیشے میں خوب ماہر تھا وہ ہمیشہ شہزادے کے ساتھ رہتا تھا اوس کے ساتھہ ایک انگریزی ڈاکٹر اڈیکاک تھا جو اسوقت ۱۳ سال سے تبریز میں تھا - اور ابتک مظفر الدین شاہ کے ساتھ ہے اور دوسرا اٹلی کا ڈاکٹر الیس کیٹا لڈی تہا جو روسی کونسل جنرل کا رسالہ تہا جسکی بابت حال کی کوئی خبر مجھے معلوم نہیں ہے -

باوجود بہت سے لوگوں کے شبہات کے کہ جنوبی لوگ مخالفت پر آمادہ ہونگے مظفر الدین نہائیت آرام سے جانشین ہو گیا ہے موجودہ خاندان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ شاہ کی وفات کے بعد ولیعہد کو کسیکا مقابلہ نہ کرنا پڑا ہو - کرزن نے اپنی نہائیت ضروری کتاب میں جو اُس نے ایران پر لکھی تہی بیان کیا کہ تخت کی نسبت جھگڑا ہونا نہائیت اغلب معلوم ہوتا ہے اور اوس کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی مظفر الدین شاہ خاندان قاجار کا پانچواں بادشاہ ہے جسکا بانی آغا محمد تھا - اور میں یہاں یہ بیان کر سکتا ہوں کہ اگر شاہ مرحوم ایک سال اور حکومت کرتا تو اس خاندان کی ایک صدی پوری ہو جاتی جسمیں صرف تین بادشاہ ہوئے اور پہلے حکومت کی جو مشرقی سلطنتوں میں ایک قابل شہرت بات ہے

فتح علیشاہ ۱۷۹۶ء میں تخت نشین ہوا جسکو اوس کے چچا آغا محمد شاہ نے اپنا ولیعہد مقرر کر لیا تھا۔ کیونکہ اوس نے خود کوئی شادی نہیں کی تھی وہ محمد شاہ کے بھائی حسین قلی خان حاکم شیراز کا بیٹا تھا اور جب تخت نشینی کے واسطے طہران بلایا گیا تو وہ وہیں اپنے والد کے پاس تھا جب آغا محمد شاہ نے اپنی فوج کے ساتھ شمالی سرحد پر خیمہ زنی کی حالت میں انتقال کیا تو صدیق خان نے جو آذربیجان کے قبیلہ شکاکی کا سردار تھا موقعہ پاکر تاج شاہی کے جواہرات اور خزانے پر قبضہ کر لیا اور اپنے ہمراہیوں سمیت کیمپ سے چلدیا۔ لیکن زبردست وزیر اعظم حاجی ابراہیم باقی فوج کو لیکر دارالخلافہ کیطرف چلا آیا جسپر خاندان قاچار کے سردار محمد خان نے اوس کے حکم کے مطابق شاہ کے اصلی وارث کیواسطے قبضہ کر رکھا تھا۔ جنوب میں تخت کے دو دعویدار کھڑے ہوئے فتح علیشاہ کا اپنا والد اور ذکی خان زند کا بیٹا لیکن یہ دونوں اور شکاکی سردار جس نے شمال میں ایسا ہی دعویٰ کیا تھا۔ نادر شاہ کا پوتا نادر مرزا جو افغانستان سے خراسان آگیا تھا اور علم بغاوت بلند کیا تھا بہت جلد شکست کھاکر زیر ہو گئے۔ چونکہ شکاکی خان کے پاس شاہی خزانہ اور تاج کے جواہرات تھے اسلئے اوسنے معافی اور برقراری کا وعدہ کر لیا تھا۔ بعد ازاں اس نے قسم وفاداری کو توڑکر بغاوت کی اسلئے اوسکو گرفتار کر کے ایک قید خانے میں ڈالدیا جسمیں وہ راہی ملک عدم ہوا۔

فتح علیشاہ ۱۸۳۴ء میں مرگیا اور اس کے بعد اوسکا پوتا محمد شاہ عباس مرزا کا بیٹا تخت نشین ہوا۔ جو اپنے والد سے پیشتر انتقال کر گیا اپنے دادا کی وفات کے وقت وہ برائے نام آذربیجان کا اعلیٰ حاکم تھا جیساکہ دستور کے موافق ولیعہد ہوا کرتا ہے اور میں پیشتر ذکر کر چکا ہوں کہ کسطرح انگریزی افسروں نے تخت کے جھوٹے دعویداروں کو شکست دی اور اس کے حق کی حفاظت کی انمیں سے ایک تو اوسکا چچا علی مرزا ظل سلطان تھا دوسرا حسین علی مرزا شیراز کا اعلیٰ حاکم تھا جن میں سے ہر ایک نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب فتح علی شاہ اپنے بیٹے حسین علی مرزا کو زیر کرنے کے لئے شیراز کیطرف جا رہا تھا تو رستے

ہیں اوسکا انتقال ہوگیا حسین علی مرزا کو ضعف اور پیری کیوجہ سے قریب الموت
کے انتقال کا یقین تھا اسلیئے اوسنے خراج دینا بند کردیا تھا - اور یہی وجہ
فتح علیشاہ کے چڑھائی کرنے کی تھی - اوسکا بیٹا تب فوج لیکر آگے بڑھا
اور اپنے والد کے جواہرات اور خزانے پر قبضہ کرلیا - اور اوس کے بھائی ظل
سلطان نے جو کچھ طہران میں باقی تھا اوسپر قبضہ کرلیا مگر محمد شاہ نے ابتدا
یہ سب کچھ پھر واپس لے لیا ۔

محمد شاہ کا بیٹا اور ولیعہد ناصر الدین آذربیجان میں عمل حاکم تھا جب
اوس کے والد کا طہران میں انتقال ہوا اور اس کے بعد چھ سات ہفتے تک تخت
گدی خالی رہی تب جاکر کہیں دوسرے بادشاہ کا جشن تاجپوشی ہوا ۔ اسوقت
قصبوں میں فساد پھیلا ہوا تھا اور دیہات میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا -
علی مرزا کا بیٹا جسنے محمد شاہ کے ساتھ تخت کا دعویٰ کیا تھا گوشہ تنہائی کو
چھوڑ کر اپنے چچیرے بھائی کے مقابلہ میں تخت کا دعویدار بنکر کاسوین میں کھڑا
ہوا لیکن اوس کی بغاوت بہت جلد فرو ہوگئی ایک اور بغاوت جو مشہد
میں اسی غرض سے ہوئی تھی وہ بھی پست ہوگئی - اور تب مرزا تقی خان امیر نظام
بڑی کوشش سے ناصر الدین شاہ کی طاقت کو مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگیا
شاہ مرحوم کی درازی سلطنت اور عام طور پر نرمی حکومت نے لوگوں کو امن کا ایسا
عادی بنا دیا ہے کہ وہ بادشاہ کے انتقال پر بغاوت اور سازش کے پرانے
طریقوں کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں

شاہی نشان اور ایرانی تاج کے جواہرات جنکا شاہی تیاریوں میں اکثر
ذکر آتا ہے ایک تعجب انگیز خوش قسمتی سے باغیوں کے ہاتھ میں جاکر بھی صحیح
و سلامت رہے ہیں - تاج شاہی کے جواہرات زیادہ تر وہ ہیں جو نادر شاہ دہلی
سے لوٹ کر لایا تھا جبکہ یہ شہر شہنشاہی کی ایک نہایت دولتمند سلطنت کا
پایہ تخت تھا -

جب وہ مشہد کے قریب مارا گیا تو خزانہ فوج نے لوٹ لیا جس کا
ایک بڑا حصہ جسمیں مشہور و معروف ہیرا کوہ نور شامل تھا جو آجکل انگریزی تاج
کو زینت بخشتے ہوئے ہے نادر کی فوج کے افغانوں کے ہاتھ آیا ایک اور ذخیرہ

حصے پر جسمیں کوہ نور کے ساتھہ کا ہیرا دریائے نور شامل تھا ایرانی سپاہیوں نے قبضہ کر لیا۔ جنہوں نے یہ سب کا سب خراسان اور آس پاس کے ضلعوں میں چھپا دیا۔

جب آغا محمد شاہ لڑائیوں سے فرصت پا چکا اور اپنی حکومت اچھی طرح قائم کر چکا تو اس نے نادرشاہ کے جواہرات کو تلاش کرنا شروع کیا وہ مشہد پہنچا اور وہاں فریب اور بے طرح کیمپ لوٹنے والوں سے جواہرات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو آجکل ایرانی خزانے کو مالا مال کرتے ہیں۔ اُن کی قیمت بہت بڑی خیال کیجاتی ہے۔

ایران کے شاہی نشان اور تاج کے جواہرات لوٹ سے بچ جانا جبکہ وہ آغا محمد شاہ اور فتحعلیشاہ کی وفات کے بعد باغیوں کے ہاتھ میں تھے۔ نہایت تعجب خیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ایک خوف اور عزت کا خیال بیٹھا ہوا ہے جسکی وجہ سے باغیوں نے جواہرات کو تاج میں سے نہیں نکالا۔ یا سلامتی اعداد کے اصول پر ہر شخص ایک بڑے حصے کی امید میں اپنے ساتھی کو سب کی مشترک چیز کے چرانے سے منع کرتا رہا ہے۔

یہ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ شاہ مرحوم کا بڑا بیٹا سلطان مسعود مرزا جسکا نام ظل سلطان زیادہ مشہور ہے اپنے بھائی کے مقابلہ میں تخت پر دعوی کریگا۔ لالچ اور پرلے درجے کی خود پسندی نے اسے ایسا کوتہ اندیش بنا دیا کہ اوسنے اپنے طرفداروں کو اجازت دیدی کہ وہ اوسکی خوبیاں بآواز بلند بیان کریں۔ اور اسے اپنے باپ کا اصلی وارث ظاہر کریں۔

شاہ مرحوم کے نرم برتاؤ کی وجہہ سے اوس نے جنوب میں اپنا اختیار بڑھانے کی ایسی بے سوچے سمجھے درخواستیں کیں کہ اوس کے والد نے مجبور ہو کر کہدیا کہ ایران اتنا بڑا ملک نہیں ہے کہ دو بادشاہ حکومت کر سکیں میرا خیال ہے۔ کہ جنوب میں نہایت قائم کرنیکا ارادہ ہے تو فانہ غرور کیوجہ سے تھا۔ نہ کہ اپنی نیم آزادی کے خیال سے جیسا کہ بعض لوگ جنہوں نے اوس کا ذکر تے سنا تھا۔ سمجھتے ہیں۔

اوس کا۔ اور ہمیشہ وہ کہ میرے پیارے بیٹے کہا کرتا تھا اور سنہ [illegible]
تک اوس نے اس کو بہت با اختیار رہنے رکھا تھا اور جو چاہتا تھا کرتا
تھا۔ یہ [illegible] کے [illegible] کا بہت شوقین تھا اس کی تفریح میں وہ ایسا
مشغول ہوا کہ اوس نے ایک بڑی اور مضبوط فوج بنالی جو [illegible] اچھی
تھی کہ شاہ نے اوس میں سلامتی [illegible] ناصرالدین نے ایک [illegible] اور
کو اس فوج کی [illegible] لانے کے لئے اصفہان بھیجا اور ظل السلطان کا
اپنے آپ پر ایسا بھروسا تھا کہ وہ باہر جا کر [illegible] اور اپنی
فوج کو نہایت اعلیٰ حالت میں ظاہر کیا۔
اسیر شاہ کو برا معلوم ہوا اس نے حکم دیا کہ فوج کم کر کے [illegible] ضرورت
کے موافق رکھی جاوے۔ [illegible] ایسا تھا کہ ظل السلطان [illegible]
تھا کیونکہ اوس کے پاس نہایت عمدہ فوج تھی لیکن [illegible]
اس نے سمجھا کہ دنیا میں امین السلطان جو آجکل صدر اعظم ہے میرا دشمن ہے
اور خیال کیا کہ یہی شخص [illegible] بات شاہ زیادہ [illegible] اوس کو
تعلقات [illegible] کیا تھا ایسے تنگ ہو گئے کہ شاہ [illegible] اگر
اپنی سب [illegible] ظاہر کر دو باپ بیٹے کی ملاقات سے [illegible] ملاقات ہو
ہوئے اور بیٹے نے کہا [illegible] سب [illegible] دست بردار
ہوتا ہوں اور [illegible] اصفہان [illegible] کی درخواست قبول
ہو گئی اور اس وقت سے [illegible] دشمنی کو [illegible] چھوڑ دیا۔
دو تین سال شاہ نے وہ [illegible] سنہ [illegible]
میں چھوڑ چکا تھا۔ [illegible] جو اس نے [illegible]
کم ہو جانے کے بعد شروع کر رکھا تھا۔ [illegible] کرنے لگا۔
ظل السلطان کی [illegible] فوج کا [illegible] بھی
جو [illegible] لوگوں پر [illegible] سنہ [illegible] میں [illegible]
حسین قلی خان کو [illegible] سے قتل کر ڈالا اور اوس کے بیٹے
اسفندیار کو جو اپنے باپ کی طرح بہت ہر دلعزیز تھا بہت وقت تک قید کیا۔

اسوجہ سے وہ لوگ اس سے بالکل علیحدہ ہوگئے۔ اب اُس نے اپنے بھائی مظفرالدین کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ اس لئے اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنوب میں یقیناً امن رہے گا۔

نائب السلطنت کامران مرزا۔ جو وزیر جنگ۔ کمانڈر انچیف اور طہران کا حاکم تھا۔ ہمیشہ اپنے والد کی خدمت میں رہتا تھا۔ اوس کے بے وقوف ہمراہی اُسے بھی تخت کا دعویدار سمجھتے تھے۔ لیکن اوس نے خود کبھی ایسا خیال نہیں کیا۔ کمانڈر انچیف ہونے سے اوس کو کوئی اصلی طاقت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت میں یہ عہدہ اور گورنری کی شان کو بھی گھٹاتا ہے۔ کیونکہ سپاہی خیال کرتے ہیں کہ اوس کی خوشیوں کے سامان اور قیمتی محلات کی خاطر اون کے پیٹ کاٹے جاتے ہیں۔

حقیقت میں سوائے گارد شاہی کے اور ایک کمزور ایرانی کاسکوں کے رسالے کے ایران میں کوئی مستقل فوج جو ہمارے مفہوم میں ہے نہیں ہے۔ توپخانہ اور پیادہ فوج جو قلعوں میں متعین رہتی ہیں۔ صرف بے قاعدہ فوج کی رجمنٹیں ہیں۔ جو ایک وقت میں دو سال کے واسطے بھرتی کیجاتی ہیں۔ ایک سال کی نوکری کے بعد دو سال کی رخصت ہوتی ہے اور اُن کے اپنے ہی سردار ہوتے ہیں۔ فوج کا انتظام وزرا۔ اعلا افسروں اور دوسرے لوگوں کے سپرد کیا جاتا ہے جس کے عوض میں [illegible] امتیاز کا دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ سے فوج پر صرف اونکا اختیار زیادہ تر ہوتا ہے جو تنخواہ کا انتظام کرتے ہیں نہ کمانڈر انچیف کا جو محض دروازہ ہوتا ہے جسمیں سے محصول منہا ہو کر تنخواہ گذرتی ہے نائب السلطنت بھی اپنے بھائی ظل سلطان کی طرح وزیر اعظم سے دشمنی رکھتا ہے۔ چونکہ وہ بادشاہ اور اوس کے جانشین کا ایک علانیہ ملازم رہتا ہے اس لئے اکثر بڑے بڑے لوگ اُس کے دشمن ہوگئے ہیں۔

میں اب لائق اور عقلمند صدر اعظم کے حق میں چند سطور لکھنے کے بعد ختم کرتا ہوں۔ اوس نے اپنے چال چلن کی مضبوطی اور ارادے کی پختگی

جیسی عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ تاج کا شرف عالی اور شاہ کا وفادار ملازم ہے۔ اور وہ غیر معمولی چھوٹی عمر میں وزارت عظمیٰ کے اعلیٰ عہدے تک پہنچ گیا۔ اس لئے شہرت سے لوگ اوس کے ایسے دشمن ہو گئے کہ اکثر اوقات اوسے دقتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اوس کی پرلے درجے کی طاقت اور عقلمندی میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ذاتی خوبیوں کے وہ ملکی معاملات سے خبردار انگریزوں کی نسبت زیادہ ہے جس کی وجہ سے وہ نہایت کارآمد وزیر ہے۔ عوام الناس اوس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ اسکا مستحق ہے۔

نہ صرف وہ کشادہ دل اور مہربان ہے وہ ان کے خیالات کو سمجھ سکتا ہے اور ان کے دل کی خواہش معلوم کر سکتا ہے۔

جب اعلیٰ حضرت شاہ صاحب کی ۱۸۹۶ء میں ناصر الدین کو زخمی کیا گیا تو وہ بھی اوس وقت ساتھ تھا اور فوراً اوٹھوا کر طہران کے محل شاہی میں لے آیا۔ ان کے دیکھے بغیر واقعہ ہوا۔ اس کے چار گھنٹے بعد شاہ نے انتقال کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صدر اعظم اوسی وقت واقعہ کو سمجھ گیا اور بذریعہ تار ولیعہد سے گفتگو کرنی شروع کر دی جو چار سو میل کے فاصلے پر تبریز میں تھا۔ اوس نے تب نامور وزرا اور اراکین سلطنت [illegible] فوج اور شہر کے با اختیار لوگوں کو محل شاہی میں اکبر شاہ کی موت سے مطلع کیا اور اوس کی عقلمندانہ تجویز سے مظفر الدین مرزا کو اوس کے والد کی وصیت کے مطابق جانشین تسلیم کر لیا۔

تب اوس نے دوست سے زیادہ طاقتور اور گہرے تعلقات والے ملکوں یعنی انگلستان اور روس کے سفیروں کو محل میں بلایا۔ بعد صدر اعظم نے ان کے سامنے سب حاضرین کی طرف سے ان کا تار ولیعہد کو دیا۔ سب کچھ ناصر الدین شاہ کی وفات کے بعد چند پانچ گھنٹے میں طے ہو گیا اور دوسرے دن صبح کو اوس فیصلے کے مطابق عام طور پر منادی کرا دی گئی کہ مظفر الدین شاہ مرحوم کی بجائے ایران کا

بادشاہ ہوگا۔

اس طرح تار برقی نے جسکو ناصرالدین شاہ نے ملک میں رواج دیا تھا اب ملک کو اس بے یقینی کی حالت سے بچانے میں بہت بڑا کام کیا۔ اس بے اعتباری کی وجہ سے ایران میں ایک شاہ کی وفات اور اس کے جانشین کی تخت نشینی کے بعد درمیان کا وقت اکثر خانہ جنگی میں گذرتا تھا۔

تمت بالخیر

National Library,
Calcutta-27.

لکھنؤ

SP 1/55

DBA000003386URD